رمضان، شوّال
1428ھ 2007ء

خلافت میگزین

علیٰ منہاجِ نبوت

((...ثم تكون خلافة على منهاج النبوة))

"... پھر خلافت علیٰ منہاجِ نبوت (نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت) قائم ہوگی" (رواہ احمد)

دنیا بھر میں حزب التحریر کی کانفرنس اور سیمینارز

انڈونیشیا میں ایک لاکھ لوگوں کی شرکت - خصوصی رپورٹ

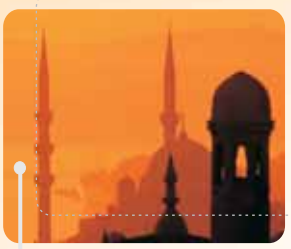

"نئی خلافت امریکہ کے لیے سب سے بڑا چیلنج ہوگی" - امریکی انٹیلی جنس کی رپورٹ

پاکستان میں معاشی بدحالی کی وجہ سرمایہ دارانہ نظام کا نفاذ ہے

ماہِ رمضان کی مسلمانوں کو پکار

خلافت
میگزین

علیٰ منہاج نبوت

شمارہ نمبر 5

رمضان، شوال

1428ھ

2007ء

فہرست

- ادار یہ 1

فقہی امور

- درسِ قرآن الکریم 2
- درسِ حدیث 3
- سیرت کے اوراق سے 4

خلافت اسپیشل

- نئی خلافت امریکہ کے لیے سب سے بڑا چیلنج ہوگی 6
- خلافت کو مغربی افکار اور اصطلاحوں کی عینک سے دیکھنا ایک فاش غلطی ہے 13
- دنیا بھر میں حزب التحریر کی کانفرنس اور سیمینارز 17
- رجب المرجب - اسلامی تاریخ کا ایک اہم مہینہ 25
- شیخ عطا ابنِ خلیل ابو رَشتہ 27
- غلبۂ حق اور قیامِ خلافت کے تعلق سے علماء کی ذمہ داری 28

علاقائی امور

- پاکستان میں معاشی بدحالی کی وجہ سرمایہ دارانہ نظام کا نفاذ ہے 34

عالمی امور

- حزب التحریر کی جانب سے جاری کردہ پمفلٹ 36
- ماہِ رمضان کی مسلمانوں کو پکار 38
- مسلم دنیا کی خبریں 40

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حدیث نبوی ﷺ ہے:

’’تمہارے اندر عہدِ نبوت موجود رہے گا جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اس کو ختم کر دے گا۔ پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت قائم ہوگی جو (اس وقت تک) رہے گی جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اسے ختم کر دے گا۔ پھر موروثی حکومت کا دور ہو گا جو (اس وقت تک) رہے گا جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اسے ختم کر دے گا۔ پھر جابرانہ حکومت کا دور ہوگا جو (اس وقت تک) رہے گا جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اسے ختم کر دے گا۔ پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت قائم ہوگی۔‘‘

(رواہ احمد)

زرِ تعاون: فی شمارہ 10 روپے

Published by:

'Shabab-ul-Umma'

Publications Lahore Pakistan

حزب التحریر کی ویب سائٹس:

www.hizb-ut-tahrir.info

www.hizb-ut-tahrir.org

www.khilafah.com

رابطہ، مضامین بھیجنے اور میگزین منگوانے کے لیے

info.khilafat@yahoo.com

www.khilafat.pk

مسلمانوں کو لال مسجد میں بہائے جانے والے خون کا حساب چاہیے

3 جولائی سے شروع ہونے والے ''آپریشن سائیلنس'' کی وجہ سے پاکستان کا دارالحکومت ایک ایسے سانحے کی زد میں رہا کہ جس نے تمام مسلمانوں کو پریشانی اور کرب میں مبتلا کر دیا۔ لال مسجد اور جامعہ حفصہ اور ملحقہ علاقے میں کرفیو لگا کر کیئے جانے والے اس آپریشن میں کتنی معصوم جانیں ضائع کی گئیں؟ یہ سوال ہنوز قائم ہے اور اس وقت تک رہے گا جب تک کوئی ''اندر'' کا آدمی اس راز سے پردہ نہ اٹھا دے۔ بہر حال سینکڑوں طلباء اور طالبات لاپتہ ہیں جو اس حکومتی دعوے کی نفی کرتی ہیں جس میں حکومت کا کہنا ہے کہ فقط ڈیڑھ سو کے لگ بھگ لوگ مارے گئے اور باقیوں کو بچا لیا گیا۔ اگرچہ جنرل مشرف کے ہر بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پہلے دن سے ہی یہ طے کر چکا تھا کہ یہ معاملہ طاقت کے ذریعے حل کیا جائے گا چاہے اس میں کتنا ہی خون بہہ جائے۔ تاہم اُس وقت بھی مشرف کو مسلمانوں کے خون کے ضیاع کی فکر نہ تھی بلکہ اس کو سب سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ یہ بے رحم اقدام لوگوں کی نظر سے مخفی رہے، جو پہلے ہی اس کے اقتدار کے خاتمے کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ مشرف نے اس وقت صحافیوں سے استفسار کیا تھا کہ ''کیا آپ مجھے اس بات کی ضمانت دیتے ہیں کہ آپریشن کے دوران کسی زخمی یا مردہ کا خون ٹی وی سکرین پر نہیں دکھایا جائے گا''؟ اور اسی طرح آپریشن کے دوران اس نے دوٹوک الفاظ میں کہا تھا کہ اگر انہوں نے ہتھیار نہ پھینکے تو میں آج یہ یہاں کہہ رہا ہوں کہ وہ مارے جائیں گے۔

تاہم حکومت کا دعویٰ رہا کہ تمام تر واقعے کی ذمہ داری غازی برادران پر عائد ہوتی ہے، لیکن تمام واقعات کا قریبی مشاہدہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ساری داستان حکومت پاکستان کی تخلیق کردہ ہے۔ پچھلے چھ ماہ میں جب بھی لال مسجد کے طلباء نے مشرف حکومت کی رٹ کو چیلنج کیا تو مشرف حکومت نے ان کے کردار کو نظر انداز کیا، غیر قانونی اسلحہ کا جامعہ میں جمع ہونا، پولیس کے افراد اور بدنامِ زمانہ آنٹی شمیم کا اغواء اور پھر چائنیز خواتین کی گرفتاری پر حکومت کی طرف سے خاموش تنقید کے سوا کچھ نہ کیا گیا۔ مزید برآں یہ سرگرمیاں خفیہ نہ تھیں بلکہ حکومت کی پوری نظر میں تھیں اور ان واقعات کو بہانہ بنا کر مشرف حکومت خون کی ہولی کھیلنا چاہتی تھی۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان مسائل کو شروع سے ہی حل کیوں نہ کیا گیا اور سیکورٹی اہلکاروں کے ذریعے آپریشن کے لیے یہی وقت کیوں منتخب کیا گیا۔ اس کا جواب مشرف حکومت کو درپیش مسائل کا پورے سیاق وسباق کے ساتھ جائزہ لینے کے بعد دیا جا سکتا ہے۔ موجودہ حالات میں مشرف حکومت کو سیکولر سیاسی مخالفین اور اسلامی قوتوں جو مشرف حکومت کا خاتمہ چاہتی ہیں دونوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ جہاں تک سیکولر سیاسی مخالفین کا تعلق ہے تو جسٹس افتخار چوہدری کی بحالی کی تحریک نے امریکہ کی مشرف کو دوبارہ صدر منتخب کروانے کی کوشش کو شدید دھچکا لگایا ہے۔ اس خطرے کو منتشر کرنے کے لیے مشرف امریکی سرپرستی میں سیکولر سیاسی مخالفین کے لیڈروں سے خفیہ مذاکرات کر چکا ہے جبکہ اسلامی قوتوں کو وہ طاقت کے زور پر ختم کرنا چاہتا ہے۔ یوں اس بحران کے ذریعے ایک کامیابی سیکولر حزب اختلاف میں سے ایک بڑے حصے کو اپنا ہم نوا بنا لینے کی صورت میں حاصل ہوئی اور دوسری بڑی حکومتی کامیابی یہ تھی کہ وہ لوگوں کی توجہ بلوچستان اور ملک کے دوسرے حصوں میں ہونے والی سیلابی تباہ کاریوں میں حکومتی نااہلی کو چھپانے میں کامیاب رہی۔

مشرف کا کہنا یہ ہے کہ اس نے یہ آپریشن لوگوں کے دباؤ پر کیا لیکن یہ جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔ وہ مشرف جس نے ماضی میں بھی مسلمانوں کے خون کی کبھی پروا نہیں کی، اسے جس دباؤ کا سب سے زیادہ خیال ہے وہ امریکیوں کا دباؤ ہے۔ لال مسجد کے محاصرے سے قبل امریکہ کے حکومتی اور فوجی عہدیداروں نے یکے بعد دیگرے پاکستان کے دورے کیے۔ امریکیوں کا یہی مطالبہ تھا کہ مشرف ''انتہاء پسندی'' نیز افغانستان میں امریکہ کے قبضے کے خلاف پاکستان کے قبائلی علاقوں کی طرف سے کی جانے والی مزاحمت کو کچلے۔ اور جب مشرف نے لال مسجد میں خون ریزی کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا اور قبائلی علاقوں میں آپریشن کی منصوبہ سازی کر لی، تو خوشیاں مناتے امریکہ نے مشرف کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ 12 جولائی کو جنوبی اور وسطی ایشیائی امور کے لیے امریکہ کے اسسٹنٹ سیکرٹری آف سٹیٹ رچرڈ باؤچر نے کہا: ''یہ پاکستان کے مستقبل کا لائحہ عمل ہے، جو مشرف نے بیان کیا اور جو مشرف کے شمالی علاقوں میں طالبانائزیشن کے خاتمے اور شہری علاقوں جیسا کہ لال مسجد میں انتہاء پسندی کے خاتمے کے عزم کے اعادے سے ظاہر ہے۔ یہ امریکہ کے بہترین قومی مفاد میں ہے کہ پاکستان مستقبل کے اس لائحہ عمل کو پورا کرنے میں کامیاب رہے''

انتہا پسندی کے خلاف یہ جنگ حقیقت میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ ہے۔ اور یہ ایجنٹ حکمران استعماری طاقتوں کے آلہ کار اور غلام ہیں اور پوری تندہی سے کفار کی اس جنگ میں مدد وحمایت کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کے خون کی کوئی وقعت نہیں بلکہ ان کی خواہش ہے کہ جب بھی یہ کفار کی خاطر مسلمانوں کا خون بہائیں تو باقی مسلمان اس کو بھول جائیں۔ مسجدوں کے تقدس کو پامال کرنا، انہیں گرانا اور انہیں بند کرنا اِن کے لیے معمولی بات ہے۔ ہم یہ پیغام امت تک دینا چاہیں گے کہ مسلمان کا خون اتنا ارزاں نہیں کہ اس کو بھلا دیا جائے بلکہ ہمیں ہر حال میں ان ایجنٹ حکمرانوں سے اس خون کا حساب مانگنا ہوگا۔

• • •

جنت الفردوس کے مکین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلاً . خَالِدِينَ فِيهَا لاَ يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلاً﴾ ''جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے کام بھی اچھے کیے یقیناً ان کے لیے جنت الفردوس کے باغات کی مہمانی ہے۔ جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ اس جگہ کو چھوڑنے کا کبھی بھی ارادہ نہیں کریں گے'' (الکھف:108)

اس بات پر ایمان کہ جنت برحق ہے اور یہ مومنوں کے لیے تیار کی گئی ہے اور کافروں پر ہمیشہ کے لیے ممنوع کر دی گئی ہے، روزِ آخرت پر ایمان کا حصہ ہے۔ اوراس کے بغیر ایک بندے کا ایمان بھی نامکمل ہے چنانچہ جنت کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے وہ قطعی فرمان ہیں جن کا ذکر قرآن الکریم میں آیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے:

﴿وَنَادَى أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنْ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمْ اللَّهُ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ﴾

''اوردوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے اوپر تھوڑا پانی ہی ڈال دو یا وہ جو اللہ نے تمہیں عطا کر رکھا ہے۔ جنت والے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں۔'' (الاعراف:50)

یہ جنت اُن کے لیے ہے جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں: ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَى رَبِّهِمْ أُوْلَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾

''یقیناً جولوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور اپنے پروردگار کے سامنے عاجزی کرتے رہے، وہی جنت میں جانے والے ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے''

(ھود:23)

ایک داعی سے بڑھ کر اور کون ہے جو نیکی کی طرف لپکے اور اللہ کی مغفرت، جنت اور اس کی رضا کا متلاشی ہو؟ نیکی کے وہ اعمال جن کی طرف سبقت کرنے اور تیزی سے لپکنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، اور جو جنت میں لے جانے کا سبب بنتے ہیں، وہ یہ ہیں:

⏮ فرضِ عین: جیسے فرض نمازیں ادا کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا، حج ادا کرنا، ان شرعی احکامات کا علم حاصل کرنا جو اس کی زندگی کے لیے ضروری ہوں جیسا کہ دفاعی جہاد کرنا، جب خلیفہ جہاد کا حکم دے تو جہاد کے لیے نکلنا، بیعتِ اطاعت کا گردن پر موجود ہونا، واجب نفقہ کے لیے تگ ودو کرنا، رشتہ داریوں کو جوڑنا (صلہ رحمی)، مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنا وغیرہ۔

⏮ فرضِ کفایہ: امت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے تیار کرنا، اقدامی جہاد (جہادِ طلب) کرنا، بیعتِ انعقاد کو منعقد کرنا، علم حاصل کرنا، سرحدی علاقوں کی حفاظت کرنا وغیرہ۔

یہ فرائض اللہ کا تقرب حاصل کرنے کا سب سے افضل طریقہ ہیں۔ بندہ ان فرائض کی ادائیگی کے بغیر رب کی رضا کا امیدوار نہیں بن سکتا۔ طبرانی نے ''الکبیر'' میں ابوامامہ کی روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

((من أهان لي وليا فقد بارزني في العداوة، ابن آدم لن تدرک ما عندي إلا بأداء ما افترضته عليک .....)).

''جس نے میرے دوست کی اہانت کی اس نے مجھ سے عداوت کا اظہار کیا۔ اے ابن آدم! جو باتیں میں نے تجھ پر فرض کی ہیں تو انہیں پورا کیے بغیر وہ حاصل نہیں کرے گا جو میرے پاس ہے۔''

⏮ مندوبات: جب بندہ اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض کو ادا کر لیتا ہے تو پھر مندوبات ومستحبات کا التزام کرتا ہے اور نوافل کے ذریعہ تقرب الٰہی کا خواہاں ہوتا ہے۔ اللہ ایسے لوگوں کو اپنے مقرب بندوں میں شامل کرتا ہے اور محبوب رکھتا ہے۔ چنانچہ ابوامامہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ ارشاد فرماتا ہے:

((...ولا يزال عبدي يتقرب إلي بالنوافل حتى أحبه، فأكون قلبه الذي يعقله به، ولسانه الذي ينطق به، وبصره الذي يبصر به، فإذا دعاني أجبته وإذا سألني أعطيته، وإذا استنصرني نصرته، وأحب عبادة عبدي إلي النصيحة)).

''میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ میرا محبوب بن جاتا ہے۔ پس میں اس کا دل بن جاتا ہوں جس سے وہ سوچتا ہے، اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور جب مجھے پکارتا ہے تو اس کا جواب دیتا ہوں (قبول کرتا ہوں) اور جب مانگتا ہے تو عطا کرتا ہوں، اور جب مدد طلب کرتا ہے تو اسے نصرت عطا کرتا ہوں اور میرے بندے کی سب سے محبوب عبادت نصیحت کرنا ہے۔''

● ● ●

قرآن سے تعلق جوڑنا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسول اللہ نے ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((**خير كم من تعلم القرآن وعلّمه.**)) ''تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے'' (بخاری نے اس حدیث کو عثمان بن عفانؓ سے روایت کیا)

قرآن سے روح کو زندگی ملتی ہے اور قلب کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو لوگوں کو ظلمت سے نکال کر نور کی طرف لے جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿**إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْراً كَبِيراً.**﴾

''یہ قرآن وہ رستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور مومنوں کو، جو نیک عمل کرتے ہیں، بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے اجرِ عظیم ہے'' (الاسرا:9)

جس نے قرآن کے مطابق بات کی اس نے حق بات کی اور جس نے اس پر عمل کیا وہ فلاح پا گیا۔ جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے عدل کیا اور جس نے اس کی طرف دعوت دی اس نے صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کی۔ یہ مومنین کی غذا ہے اور کتنی عمدہ غذا ہے۔ حاملِ دعوت کے لیے تو یہ اور زیادہ اہم ہے، جس سے وہ اپنے دل کو معمور کرتا ہے اور جس کے ذریعے وہ اپنے آپ کو مضبوط بناتا ہے۔ قرآن کا حامل شخص بلند پہاڑوں کی مانند ہو جاتا ہے جس کیلئے اللہ کی راہ کے مقابلے میں دنیا بے وقعت ہوتی ہے۔ وہ حق بات کہتا ہے اور اللہ کی خاطر کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتا۔ جو ہوا کے تھپیڑوں کا سامنا کرنے سے قاصر تھا، قرآن کی وجہ سے وہ اللہ کی نظر میں احد پہاڑ سے زیادہ وزنی ہو جاتا ہے کیونکہ وہ قرآن کی تلاوت کرتا ہے، اس کی زبان اس کی تلاوت سے تر ہوتی ہے اور اس کی انگلیاں اس کی گواہی دیتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ دنیا میں ایسے ہی تھے گویا کہ وہ چلتے پھرتے قرآن ہیں، وہ اس کی آیات پر غور کرتے اور اس کی تلاوت اس طرح کرتے تھے جیسے کرنی چاہیے، وہ اس پر عمل کرتے اور اس کی طرف دعوت دیتے تھے۔ وہ جب ان آیات کی تلاوت کرتے جن میں عذاب کا بیان ہوتا تو ان کے دل دہل جاتے اور وہ ان آیات پر خوش ہوتے تھے جو اللہ کی رحمت سے متعلق ہیں۔ اللہ کی عظمت و کبریائی کے سبب ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور وہ اللہ کے ان احکامات اور حکمت کے سامنے سرنگوں ہو جاتے، جو رسول اللہ ﷺ انہیں پہنچاتے تھے۔ قرآن کی آیات ان کے قلوب کی گہرائیوں میں اتر جاتیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مضبوط تھے اور لوگوں کے رہنما بنے اور انہیں سعادت و کامرانی عطا کی گئی۔ جب رسول اللہ ﷺ اس جہان سے اعلیٰ علیین کی طرف کوچ فرما گئے تو صحابہ بدستور قرآن پر عمل کرتے رہے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں ہدایت کی تھی۔ پس جن لوگوں نے قرآن کو اپنے سینوں میں محفوظ کیا وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والوں کا ہراول دستہ تھے اور یہ حامل قرآن ہر اچھا عمل کرنے میں سب سے آگے تھے اور یہ اللہ کی راہ میں مشکلات و مصائب برداشت کرنے میں بھی سب سے بڑھ کر تھے۔

مسلمانوں کیلئے اور خاص طور پر حاملینِ دعوت کے لیے یہ ضروری ہے کہ قرآن ان کے قلوب کی خوشی ہو، جو انہیں ان کے راستے پر قائم رکھے اور ہر بھلائی کی طرف ان کی رہنمائی کرے اور انہیں ایک بلندی سے دوسرے بلندی کی طرف لے جائے۔ حاملینِ دعوت شب و روز قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، اسے ذہن نشین کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے بہترین اسلاف کے بہترین پیش رو بن جاتے ہیں۔ یہ تو ان کے متعلق ہے جو قرآن کو سیکھتے ہیں اور پھر عملی زندگی میں اسے اپناتے ہیں لیکن جو لوگ قرآن سے اپنا تعلق توڑ لیتے ہیں اور اس میں موجود احکامات کو نظر انداز کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے اپنی ہدایت اٹھا لیتا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((**إن الذي ليس في جوفه شيء من القرآن كالبيت الخرب.**))

''جس کے دل میں قرآن کا کوئی حصہ نہیں وہ ویران گھر کی مانند ہے۔'' (ترمذی نے اس حدیث کو روایت کیا اور بیان کیا کہ یہ حدیث صحیح ہے)

اسی طرح مزید فرمایا:

((**القرآن شافع مشفع، وما حل مصدق ، من جعله أمامه قاده إلى الجنة ومنجعله خلفه ساقه إلى النار.**))

''قرآن شفاعت کرنے والا اور شفاعت کا اختیار رکھنے والا ہے اور جو کچھ یہ کہتا ہے وہ حجت ہے۔ جو اِسے اپنے سامنے رکھتا ہے یہ اُسے جنت میں لے جائے گا اور جو اسے پس پشت ڈالتا ہے اُسے یہ دوزخ میں لے جائے گا۔'' (ابن حبان نے اسے جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا)

اور آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے:

((**إن اللّٰه يرفع بهذا الكتاب أقواماً ويضع به آخرين.**))

''بے شک اللہ اس کتاب کے ذریعے کچھ لوگوں کو بلند کرتا ہے اور کچھ کو پست کرتا ہے۔'' (مسلم نے اس حدیث کو روایت کیا)

● ● ●

حضورِ اکرم ﷺ کی خفیہ اور اعلانیہ دعوت

مکہ میں آپ ﷺ کی دعوت دو مراحل میں تقسیم تھی: پہلا مرحلہ تعلیم، فکری، ثقافتی اور روحانی تربیت کا مرحلہ تھا۔ اور دوسرا مرحلہ دعوت کو پھیلانے، اسکے لئے جدوجہد کا تھا۔ پہلا مرحلہ اسلامی افکار کی سمجھ پیدا کرنے، ان افکار کو مسلمانوں میں پیکر کرنے اور مسلمانوں کی جماعت کو ان افکار پر تشکیل دینے کا مرحلہ تھا۔ دوسرا مرحلہ اِن افکار کو ایک محرک قوت کے طور پر معاشرے تک پہنچانے کا تھا، تاکہ وہ زندگی کے ہر معاملے میں نافذ ہوسکیں، کیونکہ بہرحال جب تک یہ افکار دعوت کے ذریعہ معاشرے میں نافذ نہ ہوں وہ محض بے جان 'معلومات' کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ایسی 'معلومات' چاہے کتابوں میں ہوں یا انسانی دماغوں میں، بہرحال وہ مدفون ہی رہیں گی، حتیٰ کہ اُن کا معاشرے میں عملی کردار نہ ہو۔ نیز ایسے افکار کی کوئی عملی قیمت نہیں ہوتی۔ افکار کو ایک ایسے مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے جس میں وہ محض فکر نہ رہ جائیں بلکہ معاشرے میں ایک جاندار قوت اور محرک بن کر ابھریں، جسے لوگ اپنائیں، اسکے سچ اور حق ہونے کی شہادت دیں، اسکو پھیلائیں اور اسکے نفاذ کی جدوجہد کریں۔ اسی فطری طریقے سے اُن افکار کا نفاذ یقینی اور قطعی بنایا جاسکتا ہے۔

آپ ﷺ نے مکہ میں اسی اسلوب پر محنت کی اور انہی دو مراحل سے گزرے۔ پہلے مرحلے میں آپ ﷺ نے مکہ میں دعوتِ اسلام رکھی، دعوت کے ماننے والوں کی فکری تربیت کی اور اسکے احکام کی تلقین کی۔ یہ مرحلہ ایک خفیہ مرحلہ تھا جس میں آپ ﷺ اسلام کے ماننے والوں کی دارارقم میں یا کسی پہاڑ کی وادی میں یا پھر اُنہی کے گھروں میں کچھ لوگوں کے حلقے بنا کر کسی کو بھیج دیتے تاکہ اُن لوگوں کی اُس خاص نہج پر تربیت ہو سکے۔ یہ سب کارروائی رازدارانہ طور پر ہوتی تھی۔ اس طرح ان حلقوں میں شامل مسلمانوں کے ایمان اسلامی عقائد روز بروز قوی تر ہوتے گئے، آپس کے تعلقات مضبوط ہوتے اور اپنی مہم، جو اُنہیں درپیش تھی، اس کا ادراک اُن پر عیاں ہوتا رہتا، یہ ہر قربانی کیلئے تیار رہتے۔ دعوت نے ان کے دل و دماغ میں گھر کرلیا اور اسلام ان کی رگوں کا خون بن گیا اور وہ اسلام کی چلتی پھرتی مثال بن گئے۔ یہ پیغام کبھی ان تک چھپا نہیں رہ سکتا تھا، باوجود ان کی کوششوں کے، کہ وہ دعوت کو قریش کی آنکھوں سے اوجھل رکھ سکیں۔

یہ لوگ جس کسی پر اعتماد کرتے، یا جس کسی میں دعوت کی قبولیت کی استعداد دیکھتے، اس سے اسلام کی بات کرتے جس سے لوگوں کو اس دعوت اور اس جماعت کے وجود کا شعور ہوا۔ یہ دعوت کا آغاز تھا۔ جب جماعت تیار ہوگئی تو یہ فطری تقاضا تھا کہ اب یہ دعوت اپنے دوسرے مرحلے میں داخل ہو چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بعد اسلام کی دعوت اپنے دوسرے مرحلے یعنی تفاعل اور جدوجہد میں داخل ہوئی۔ اس میں بلاتخصیص لوگوں کو اسلام سمجھانا شامل تھا، جن میں سے بعض نے مثبت مانتے ہوئے قبول کیا اور اس جماعت میں شامل ہوگئے اور بعض نے اسے رد کیا جن سے اب تصادم اور ٹکراؤ فطری بات تھی۔ انسانی عقلیں کتنی ہی ہٹ دھرم کیوں نہ ہوں، صحیح فکر کے آگے کتنے ہی دروازے کیوں نہ بند کر لیں بہرحال صحیح فکر کی طاقت حاوی ہوتی ہی ہے۔

چنانچہ تفاعل کے مرحلے کا آغاز ہوا، جس میں ایک فکر کا دوسری فکر سے تصادم اور مسلمان کا کافر سے ٹکراؤ تھا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ نکلے اور اس طرح کہ پہلے عربوں نے کبھی ایسا باظم منظر نہ دیکھا تھا، اُنہوں نے کعبے کا طواف کیا اور اپنی دعوت کا اعلان عام لوگوں میں، واضح، صریح اور ایک چیلنج کی شکل میں دیا۔

اب قرآنی آیات نازل ہوئیں جن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر تھا، کفر اور بت پرستی کی ملامت تھی اور اُن لوگوں پر حملہ تھا جو آباؤ اجداد کی اندھی پیروی کرتے تھے۔ وہ آیات آپ ﷺ پر نازل ہوئیں جن میں معاشرے میں پھیلے فاسد معاملات پر حملہ کیا گیا جیسے سود کا لین دین اور ناپ تول میں کمی بیشی۔ آپ ﷺ بیک وقت کچھ لوگوں کی ایک جماعت سے ملاقات کرتے، اپنے قریبی عزیزوں کو گھر بلاتے، کھانے کی دعوت کرتے اور اسلام کی طرف رغبت دلاتے، لیکن وہ لوگ اس سب کو رد کرتے رہے۔ اب آپ ﷺ نے قریش کو صفا کی چوٹی پر بلایا اور اسلام کا پیغام دیا جس کو سب نے ردّ کر دیا خاص کر ابولہب نے بڑی شدّت سے اسے ردّ کیا۔ اس کے بعد اہل اسلام کی ایک طرف اور قریش اور دیگر عربوں سے دوسری طرف مخاصمت گہری ہوگئی۔ لیکن اس واقعہ سے ایک بات یہ بھی ہوئی کہ جو اسلام اب تک لوگوں کے گھروں میں حلقوں کی شکل میں، یا پہاڑیوں کے دامن میں یا دارارقم میں چھپ چھپ کر سیکھا اور سکھایا جا رہا تھا وہ اس واقعہ سے منظر عام پر آ گیا۔

اس غیر معمولی تبدیلی سے جو بات اب تک کچھ خاص لوگوں کو بتائی جا رہی تھی جو استعدادِ قبولیت رکھتے تھے، اب اس بات کی دعوت ہر ایک کو دی جانے لگی اور اس سے جیسے جیسے قریش کو دعوت کے خطرات نظر آتے گئے، مخاصمت بڑھتی گئی۔ اب قریش نے محسوس کیا کہ اس دعوت کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا اور وہ ایسے اقدامات کرنے لگے جن سے اسلام کا سدِّ باب کیا جاسکے۔

اس طرح عام دعوت کا اثر بھی مختلف ہوا اور دعوت مکہ میں پھیل گئی، ہر ایک دن کوئی نہ کوئی اسلام کے دائرے میں داخل ہوتا جن میں غریب، محروم اور

مظلوم بھی ہوتے، شرفائے مکہ بھی اور تاجر بھی، ایسے تاجر جن کی تجارت انہیں حق شناسی سے اور آپ ﷺ کی دعوت سے نہ روک پاتی۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے نفس، طہارت، پاکیزگی، سچائی اور دانائی سے بھرے ہوئے تھے۔ یہ شریف النفس خود کی اپنی بیجا ضد اور سرکشی کو اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دیتے تھے اور جیسے ہی اللہ کے دین کی دعوت اور اِس کا حق ہونا اِن نیک طبع نفوس پر آشکارا ہوا، اِنہوں نے فوراً لبیک کہا۔ اِن میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ حالانکہ عام دعوت کی وجہ سے مسلمانوں کو بڑی مشقتیں بھی جھیلنا پڑیں تاہم اس کے ذریعہ بہت زیادہ لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچ پایا اور بڑے اچھے نتائج مرتب ہوئے۔ اس کامیابی نے اہل قریش کو بہت غضب ناک بنا دیا اور اُن کے دل غصے کی آگ میں جلنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے بغیر توقف کے ایک مسلسل محاذ کھولے رکھا جس میں وہ مکہ کی عام برائیوں جیسے ناانصافی، سنگدلی اور غلامی کی رسموں پر تنقید کرتے اور ان کے بیمار زدہ تصورات اور رسم ورواج کو لوگوں کے سامنے صریح انداز میں بے نقاب کرتے تھے۔

یہ ایک نہایت ہی شدید اور پر تشدّد مرحلے کی ابتداء تھی، ایک طرف آپ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ اور دوسری طرف کفّارِ مکہ۔ حالانکہ امر واقع یہ ہے کہ دعوت کا دوسرا مرحلہ یعنی مرحلۂ تفاعل نہایت سخت اور صبر آزما ہوتا ہے کیونکہ اس میں نتائج اور حالات سے بے پرواہ ہو کر اپنی بات صریح طور سے کہنا ہوتی ہے لیکن پہلے اور دوسرے مراحل کے درمیان کا دور ایک بہت ہی نازک دور ہوتا ہے، کہ اس میں صبر کے ساتھ دانائی، معاملہ سنجی اور باریک بینی سے کام لینا پڑتا ہے، جس کے لئے مسلمانوں کو پہلے دور میں تربیت دی گئی تھی۔

اس درمیانی مدّت میں کفار سے پہلا پہلا سابقہ پڑتا ہے اور مسلمان کیلئے، اسکے ایمان کیلئے ایک سخت امتحان ہوتا ہے۔ آپ ﷺ اور اصحاب کرام ؓ نے اس درمیانی مرحلے میں ظلم، تشدد اور جبر کی آزمائشوں کو برداشت کیا جو ایک پہاڑ کو بھی متزلزل کر دیتیں۔

اس دوران بعض صحابہ ؓ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، بعض ان مظالم اور جبر کو سہتے سہتے شہید ہو گئے اور بعض یہ سب صعوبتیں برداشت کرتے رہے اور اپنی دعوت میں استقامت سے لگے رہے حتیٰ کہ مکہ کی ظلمات چھٹیں اور نورِ اسلام سے مکہ بھی بالآخر متاثر ہوا۔ اس حقیقت کے باوجود کے آپ ﷺ دارارقم میں نہایت رازداری سے لگاتار تین سال تک مسلمانوں کی فکری تربیت میں لگے رہے، مزید آٹھ سال تک آپ ﷺ کو اہل کفر کے ساتھ جدوجہد اور کشمکش کرنا پڑی اور اپنی نبوت کے ثبوت کے طور پر معجزات دکھانے پڑے، قریش نے مسلمانوں کو کبھی چین سے بیٹھنے نہ دیا اور نہ ہی اپنی جنگ میں ذرا سستی آنے دی کہ مسلمان کچھ راحت پالیں۔ بہرحال اس تفاعل کی بدولت اور حج کے قافلوں کے ذریعہ جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کی دعوت کی خبر پھیل چکی تھی اور عرب میں اس کا چرچا عام ہو گیا تھا۔ لیکن یہ عرب قبائل محض تماش بین بنے ہوئے تھے اور دعوت کی قبولیت میں ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا تھا کیونکہ یہ قبائل عرب بہرحال قریش سے مخاصمت مول لینا نہیں چاہتے تھے۔ اب ایک طرف تو آپ ﷺ یہ مشاہدہ کر رہے تھے کہ قریش کی ہٹ دھرمی کے تھمنے کے کوئی آثار نہیں ہیں اور دوسری طرف یہ کہ اسلام کو ہر حال میں غالب ہونا ہی ہے، لیکن چونکہ قریش اب بھی اسلام کو رد کر رہے تھے اسلئے یہ امکان ہی نہیں تھا کہ اسلام مکے میں نافذ ہو سکے۔ مزید یہ کہ اہل مکہ کے مظالم اس بات میں مانع تھے کہ مسلمان دعوت کے کام کو اور پھیلائیں، پھر قریش کے مسلسل انکار نے مسلمانوں کے زخموں پر نمک کا کام کیا تھا اور آزمائشوں اور مصائب میں اضافہ ہی ہوا تھا۔ اسلئے اب یہ صورتِ حال کسی طرح مسلمانوں کو قابل قبول نہ تھی کیونکہ اس طرح اُس تیسرے مرحلے یعنی وہ مرحلہ جس میں اسلام نافذ ہو، میں داخلہ ممکن نہ تھا، چنانچہ اب وقت آ گیا تھا کہ اس جمود اور تھمی ہوئی صورتِ حال کو بدل ڈالا جائے۔

طائف میں بنی ثقیف کی طرف سے اسلام کو رد کر دینے کے بعد قریش کی طرف سے مسلمانوں پر مظالم اور بڑھ گئے۔ جس میں مزید اضافہ اس وقت ہوا جب حج کے دوران بنو عامر، بنو حنیفہ، بنو کندہ اور بنو کلب نے بھی اسلام کی دعوت ٹھکرا دی۔ اس سے قریش کو تقویت پہنچی اور اُنہوں نے آپ ﷺ کو اور الگ تھلگ کر دیا تاکہ دعوت آگے نہ بڑھ پائے اور باہر سے بھی کوئی مدد نہ آ سکے۔ لیکن اس صبر آزما دور میں آپ ﷺ اور مسلمان بڑی استقامت سے اپنے ایمان پر ڈٹے رہے اور اُنہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے کامیابی کے وعدے پر کبھی شک نہ ہوا۔

آپ ﷺ درپیش خطرات کو خاطر میں لائے بغیر، جہاں تک ممکن ہوا دعوت دیتے رہے اور قبائل سے ملتے رہے۔ قریش کے آوارہ لڑکے آپ ﷺ کو تنگ بھی کرتے لیکن اس سے آپ ﷺ کے اعتماد میں کبھی فرق نہیں آیا۔ قریش کی نفرتیں بڑھتی رہیں، لوگ آپ ﷺ سے کٹتے رہے لیکن آپ ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر ایمان بھی بڑھتا گیا کہ اللہ تعالیٰ ضرور اپنے دین کی حمایت اور اسکی حفاظت کریگا۔ آپ ﷺ نے اللہ کی مدد کا انتظار کیا اور دعوت دیتے رہے۔

اب حج کا موسم آیا اور جزیرہ نما عرب کے تمام علاقوں سے قبائل مکہ پہنچنے لگے۔ ان صبر آزما حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح کی نشانی آ گئی۔ مدینہ کے خزرج قبیلے کے کچھ لوگ حج کیلئے مکہ آئے۔ آپ ﷺ اِن لوگوں سے ملے، بات کی اور اسلام کی دعوت اُن کے سامنے رکھی۔ یہ لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور کہا ''اللہ کی قسم یہ تو وہی نبی ﷺ ہیں جن کے بارے میں (مدینہ کے) یہودی ہمیں ڈراتے رہتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ یہودی آپ ﷺ کی دعوت پر ہم سے سبقت لے جائیں''۔ یہ کہہ کر وہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اِن لوگوں نے آپ ﷺ سے کہا کہ'' ہم نے اپنے قبیلے چھوڑ دیئے، نفرتوں میں اِن جیسا کوئی نہیں ہے، اب یہ آپ ﷺ کے توسط ہی سے اتفاق کر پائینگے اور اگر ایسا ہو گیا تو آپ ﷺ سے زیادہ عزت والا کوئی نہ ہوگا''۔

جب یہ لوگ مدینہ واپس آئے تو انہوں نے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے متعلق بتایا اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ وہ لوگوں کے دل ودماغ اس نئے دین کے لیے کھولنے میں کامیاب ہو گئے۔

• • •

’’نئی خلافت امریکہ کے لیے سب سے بڑا چیلنج ہوگی‘‘ - امریکی انٹیلی جنس کی رپورٹ

’’عالمی مستقبل کی نقشہ بندی‘‘ کے نام سے نیشنل انٹیلی جینس کونسل (NIC) کی سن 2020ء کے لیے رپورٹ

ایڈووکیٹ سعدیہ راحت

ایل ایل بی آنرز، شریعہ اینڈ لاء

(انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد)

کچھ عرصہ قبل ’’عالمی مستقبل کی نقشہ بندی‘‘ (Mapping the Global Future) کے نام سے نیشنل انٹیلی جینس کونسل (NIC) نے ایک رپورٹ شائع کی تھی۔ یہ ادارہ CIA سے منسلک ایک تحقیقاتی ادارہ ہے جس نے دنیا بھر کے غیرسرکاری ماہرین کی معاونت سے امریکی پالیسی سازوں کے لیے یہ رپورٹ تیار کی ہے، تاکہ سن 2020ء تک کے ممکنہ واقعات کا ایک خاکہ پیش کر کے امریکی ماہرین کو قبل از وقت منصوبہ بندی کرنے کے لیے پیشگی معلومات فراہم کی جاسکیں۔

ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے پہلے آگاہ کر دیں کہ اس رپورٹ میں مسلمانوں کے حوالے سے نہایت ہی اہم صورتحال پر بحث کی گئی ہے۔ نیز 2020ء تک امکان ظاہر کیا گیا ہے کہ مسلمان دنیا میں خلافت کے قیام کے ذریعے ایک طاقت بن کر ابھریں گے۔ تاہم چند پہلوؤں سے خلافت کے بارے میں اس رپورٹ کے ذریعے عمداً غلط فہمی پھیلانے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ یاد رہے کہ نیشنل انٹیلی جینس کونسل (NIC) وہی ادارہ ہے جس نے 2010ء تک پاکستان کے ٹکڑے ہونے کی بھی پیشین گوئی کی تھی۔ حالیہ رپورٹ CIA نے ڈی کلاسیفائی کرنے کے بعد عوام کے لیے اپنی ویب سائٹ پر پیش کی ہے۔ اسی قسم کی رپورٹوں کی روشنی میں امریکی ادارے بالخصوص اور امریکہ کے حلیف ممالک بالعموم اپنے مستقبل کا لائحہ عمل وضع کرتے ہیں۔ مسلمان سیاستدانوں اور اہل علم کو ان رپورٹوں کو بڑی سنجیدگی سے لینا چاہیے۔ نیز ان میں موجود غلط بیانی (disinformation) سے پہلو بچاتے ہوئے بین السطور افکار اور ان پالیسیوں کو سمجھنا چاہیے جو یہ ادارے اپنے پالیسی سازوں کے لیے پیش کرتے ہیں۔ قارئین کی خدمت میں رپورٹ کا جائزہ پیش ہے۔ اس مضمون میں رپورٹ کے ان حصوں پر خصوصی توجہ دی گئی ہے جن کا تعلق امت مسلمہ اور اسلام سے ہے۔ دیگر پہلوؤں پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے۔

رپورٹ میں عندیہ دیا گیا ہے کہ ’’تیزی سے بدلتے ہوئے اس دور میں ہم آنے والے پندرہ سالوں میں عالمی تبدیلیوں کی متعدد اور مختلف اشکال کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ ان میں کثیر ریاستی نظام (Nation-state system) کو لاحق شدید خطرے سے لے کر ایک مضبوط تر اور تمام دنیا پر محیط گلوبلائزیشن کا قیام شامل ہے۔‘‘ رپورٹ میں ’’ممکنہ مستقبل‘‘ کے عنوان سے سن 2020ء تک چار عالمی منظرنامے پیش کئے گئے ہیں۔ نیز آغاز میں ہی اس کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ ’’ان منظرناموں کا مقصد حقیقی پیشین گوئیاں نہیں بلکہ محض اس ممکنہ دنیا کی تصویر کشی کرنا ہے جس کے دروازے پر آج ہم کھڑے ہیں۔‘‘ رپورٹ میں امریکی نکتۂ نظر سے بہترین سے لے کر بدترین تک چار عالمی منظرنامے پیش کئے گئے ہیں۔ وہ چار منظرنامے درج ذیل ہیں:

(1) پیکس امیریکانا (امریکی غلبہ): اس بات کا جائزہ پیش کرتا ہے کہ امریکی غلبہ کس طرح عالمی سیاسی منظرنامے میں ہونے والی انقلابی تبدیلیوں سے بچ نکل کر ایک جدید اور تمام دنیا پر محیط ورلڈ آرڈر قائم کرے گا۔ یہ امریکی نکتۂ نظر سے بہترین صورتحال ہے جس میں عالمی سطح پر سرمایہ دارانہ نظام بھی برقرار رہے اور امریکہ اس نظام کے ذریعے پوری دنیا پر بلا شرکت غیرے حاوی رہے۔ اس منظرنامے میں مسلمانوں کی عالمی سطح پر کوئی اہم حیثیت نہیں دکھائی گئی۔

(2) دنیائے ڈیووس: ہمیں اس بات کی مثال فراہم کرتی ہے کہ آنے والے 15 سالوں میں چین اور بھارت کی سرکردگی میں اقتصادی ترقی کے نتیجے میں گلوبلائزیشن کے عمل کی تشکیل نو ہوگی اور یہ اقتصادی ترقی اسے غیرمغربی شکل دے کر سیاسی کھیل کے میدان کو بھی تبدیل کر دے گی۔ امریکہ کے لیے یہ منظرنامہ پہلے منظرنامے (یعنی پیکس امیریکانا) سے یوں مختلف ہے کہ امریکہ کو عالمی وسائل کی بندر بانٹ میں اب یورپ کے علاوہ چین اور بھارت کو بھی

حصہ دینا ہوگا۔ لیکن اس دنیا میں بھی سرمایہ دارانہ نظام عالمی سطح پر گلوبلائیزیشن کی شکل میں برقرار رہے گا۔ یہ منظر نامہ امریکی نکتۂ نظر سے پیکس امیریکانا سے کم تر ہے لیکن اس منظر نامے میں عالمی سطح پر امریکی نظام اور اس کی سیاسی برتری اور اہمیت بہرحال برقرار ہے۔

(3) لامتناہی خوف کا دور: اس منظر نامے میں ایک ایسی دنیا کی منظر کشی کی گئی ہے جہاں ایٹمی پھیلاؤ سے متعلق خدشات اس حد تک بڑھ جائیں گے کہ بڑے پیمانے پر مداخلت کے ذریعے حفاظتی اقدامات کئے جائیں گے، تاکہ تباہ کن حملوں کو روکا جاسکے۔ نتیجتاً ایک ''اورویلین'' دنیا وجود میں آسکتی ہے۔ امریکی اور مغربی ممالک کی موجودہ اسلام دشمن پالیسیوں کے ردعمل میں ہونے والی عسکری مزاحمت، جو آج بھی مختلف ممالک میں جاری ہے، کی اس دور میں انتہائی صورت پیش کی گئی ہے۔ لیکن اس دور میں بھی مسلمانوں کو مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم دکھایا گیا ہے۔ نیز اس منظر نامے میں بھی عالمی سطح پر سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف کوئی متبادل نظام موجود نہیں ہے۔ امریکی نکتۂ نظر سے یہ منظر نامہ قابل قبول نہیں جس میں وہ اپنے اور اپنے حلیف ممالک پر ایٹمی یا حیاتیاتی دہشت گردی کے بڑے امکانات محسوس کرتا ہے۔ لیکن یہ پھر بھی ''نئی خلافت'' کے منظر نامے سے کم خطرناک ہے۔

(4) نئی خلافت: اس عالمی منظر نامے میں ایک عالمی تحریک، جسے مذہبی شناخت پر مبنی انقلابی سیاست سے تقویت حاصل ہوگی، مغربی اقدار اور روایات کے لیے چیلنج کی صورت سامنے آئے گی اور ایک عالمی نظام کی بنیاد رکھے گی۔ مسلم ممالک کو ضم کر کے خلافت کی داغ بیل ڈالی جائے گی اور دنیا کو سرمایہ دارانہ نظام کے متبادل اسلامی نظام پیش کیا جائے گا۔ یہ منظر نامہ امریکی نکتۂ نگاہ سے سب سے زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ہے جبکہ مسلمانوں کے نکتۂ نظر سے یہ ایک مثالی صورتحال ہے۔ اس منظر نامے میں خلافت امریکہ کی عالمی بالادستی اور اس کے سرمایہ دارانہ نظریے اور اس سے پھوٹنے والی اقدار کو چیلنج کریگی۔

آیئے مندرجہ بالا منظر ناموں کا تفصیلی جائزہ لیں:

پیکس امیریکانا (امریکی غلبہ):

اس عنوان کے تحت امریکہ کو بدستور ایک قدیم مگر اہم ترین عالمی طاقت کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔ جبکہ دیگر طاقتیں جن میں بھارت، چین، یورپ، روس اور برازیل شامل ہیں، اقتصادی ترقی کے باوجود چند اندرونی اور بیرونی مسائل کی وجہ سے امریکہ کی بلاشرکتِ غیرے عالمی حکمرانی کے خاتمے میں ناکام رہی ہیں۔ اگرچہ امریکہ کو کئی نئے خطرات اور ابھرتی ہوئی طاقتوں کی جانب سے اقتصادی اور سیاسی چیلنجوں کا سامنا ہے مگر طاقت کا توازن بہرحال اس کے حق میں ہے۔ یہ دنیا موجودہ عالمی صورتحال سے زیادہ مختلف نہیں جہاں امریکہ یکطرفہ (uni-lateral) فیصلے کرتا ہے اور دیگر عالمی طاقتوں کو اپنی مرضی پر چلانے کی طاقت رکھتا ہے۔

اس عنوان کے تحت ایک ابھرتے ہوئے ایشیاء کی تصویر کشی کی گئی ہے اور بھارت اور چین کو ابھرتی ہوئی طاقتوں کے طور پر پیش کیا گیا ہے لیکن ابھی تک یہ دونوں طاقتیں مکمل طور پر عالمی طاقتیں نہیں بن سکیں۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ''چین بھارت اور ان کے ہمراہ چند دیگر ممالک کا نئی عالمی طاقتوں کے روپ میں ابھرنا جغرافیائی اور سیاسی میدان کو تبدیل کر دے گا۔'' لیکن اقتصادی عمل میں رکاوٹ اور عالمی برادری کے چین پر مکمل اعتماد نہ ہونے کے باعث چین کو عالمی سطح پر ایک مسلمہ بڑی طاقت کی حیثیت حاصل نہ ہوسکے گی۔ اسی طرح بھارت کے بھی لڑکھڑانے کے امکانات پائے جاتے ہیں کیونکہ اسے سیاسی اور اقتصادی مشکلات کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہوئی توانائی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے شدید دباؤ کا سامنا ہوگا جس کی ایک بڑی وجہ اس کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی ہے۔

رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے:

● ''یورپ کے زیادہ تر ممالک میں بوڑھے افراد کی تعداد میں اضافہ اور افرادی قوت کی تعداد میں کمی کے برّاعظم یورپ پر گہرے اثرات مرتب ہوں گے۔ چنانچہ یورپی ممالک کو اپنی افرادی قوت کو بہتر بنانا پڑے گا۔ معاشرتی بہبود کے نظام، تعلیم اور ٹیکس کے نظام میں بنیادی اصلاحات کرنا پڑیں گی اور بڑھتی ہوئی مہاجر آبادی (جو کہ زیادہ تر مسلم ممالک سے تعلق رکھتی ہے) کو بسانے کے مواقع فراہم کرنے پڑیں گے، ورنہ دوسری صورت میں اسے طویل اقتصادی جمود کا سامنا ہوگا۔'' چنانچہ ان وجوہات کی بنا پر یورپ بھی امریکی طاقت کو چیلنج کرنے کی پوزیشن میں نہ ہوگا۔

● ''جاپان کو بھی اسی قسم کے افرادی قوت کے بحران کا سامنا ہوگا جو اس کے طویل المیعاد معاشی بحالی کے عمل کو مفلوج کرسکتا ہے۔ اسی طرح اسے اپنے علاقائی کردار اور صورتحال کا بھی از سرنو جائزہ لینا ہوگا۔ ٹوکیو کو یہ فیصلہ بھی کرنا پڑے گا کہ وہ چین کی تقلید کرے گا یا اس کے ساتھ مقابلے کی فضاء برقرار رکھے گا۔ دریں اثنا شمالی کوریا کا بحران بھی آنے والے 15 سالوں میں ابھر کر سامنے آجائے گا۔''

● ''روس کے لیے دیگر ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات میں بہتری لانے کے تمام مواقع موجود ہونگے کیونکہ وہ تیل اور گیس برآمد کرنے والا ایک اہم ملک ہے۔ لیکن اسے ایک آبادی کے شدید بحران کا بھی سامنا ہے جو شرح پیدائش میں کمی، ناکافی طبی سہولیات اور ایڈز کے حوالے سے ایک ممکنہ دھماکہ خیز صورتحال کے باعث پایا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ معاشرتی اور سیاسی اسباب روس کے لیے عالمی سطح پر اہم ترین کردار ادا کرنے کے مواقع محدود کردیتے ہیں لیکن اس کے باوجود ماسکو نہ صرف پہلے سے قائم شدہ طاقتوں یعنی امریکہ اور یورپ کے لیے اہم ساتھی رہے گا بلکہ ابھرتی ہوئی طاقتوں بھارت اور چین کے لیے بھی اس کی شراکت اہم ہوگی۔'' بالفاظ دیگر روس کسی بڑی طاقت کی مدد تو کرسکتا ہے لیکن از خود بڑی طاقت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

اس منظر نامے کے آخر میں 2020ء میں اقوام متحدہ کے جنرل سیکریٹری کی ڈائری سے چند فرضی اقتباسات بھی پیش کئے گئے ہیں۔ سیکریٹری جنرل لکھتے ہیں:

''(جڑواں ٹاور کی جگہ) نہ صرف یہ کہ ایک نئی عمارت تعمیر ہوچکی ہے جس نے 9/11 کے تباہی اور بربادی کو جزوی طور پر نظروں سے اوجھل کر دیا ہے بلکہ امریکہ بھی ایک عقاب کی طرح ابھرا ہے، خواہ یہ عقاب کچھ سہما ہوا ہے، لیکن وہ ایک بار پھر ورلڈ آرڈر کی بنیادیں وضع کرتا ہوا دکھائی دے رہا ہے''... ''دہشت گردی پر تمام تر عملی تعاون کے باوجود ہم اب تک دہشت گردی کی ایک ایسی متفقہ تعریف تک نہیں پہنچ سکے جو اس کے خلاف حکمت عملی پر تمام ممالک کو متحد کر سکے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ **مجھے دو محاذوں پر اپنی بقاء کی جنگ لڑنا پڑ رہی ہے۔ ایک طرف تو 'سب سے پہلے امریکہ' کا نعرہ لگانے والے گروہ جو اقوام متحدہ کے مکمل خاتمے کی مہم چلا رہے ہیں اور دوسری طرف یورپی اور ایشیائی ممالک کی بڑی تعداد جو یہ خیال کرتی ہے کہ اقوام متحدہ واشنگٹن کی مٹھی میں چلا گیا ہے۔**''

دنیائے ڈیووس:

اس عنوان کے تحت رپورٹ میں ایک روز بروز وسیع ہوتی ہوئی عالمی معیشت کی تصویر کشی کی گئی ہے جو تمام دنیا کو اپنے اندر ضم کر رہی ہے۔ چین اور بھارت جو پچھلے منظر نامے میں ایک عالمی طاقت کے طور پر ابھرنے کی کوشش کر رہے تھے، اس منظر نامے میں بڑی اقتصادی اور سیاسی طاقت بن چکے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق گلوبلائیزیشن اب زیادہ غیر مغربی چہرہ اپنا چکی ہے۔ دنیائے ڈیووس میں ایشیا ایک مربوط بلاک کے روپ میں مغربی اقتصادی برتری کے لیے چیلنج پیش کر رہا ہے۔ دنیا میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کا انقلاب آچکا ہے لیکن اس کے باوجود امیر اور غریب کا فرق برقرار ہے۔

ماہرین کے مطابق:

● ''زیادہ تر کمپنیاں بین الاقوامی حیثیت اختیار کرلیں گی اور عالمی سطح پر کام کرنے والی کمپنیاں اپنے حجم اور ماخذ کے لحاظ سے ہمہ پہلو اور ہمہ جہت ہوں گی، نیز زیادہ ایشیائی اور کم مغربی بنیادیں رکھیں گی۔ ایسی کارپوریشنیں جو موجودہ کئی بڑی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیوں پر محیط ہوں گی، کسی ایک ملک کے کنٹرول سے باہر ہوتی چلی جائیں گی اور وسیع پیمانے پر ٹیکنالوجی کے فروغ میں اہم کردار ادا کریں گی۔ نتیجتاً دنیا کی اقتصادیات باہم مربوط تر ہوجائے گی اور ترقی پذیر دنیا بھی اقتصادی ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکے گی۔ چین، بھارت اور برازیل سے تعلق رکھنے والی ملٹی نیشنل کمپنیوں کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی۔ اگرچہ شمالی امریکہ، جاپان اور یورپ مجموعی طور پر بین الاقوامی سیاسی اور مالی اداروں پر چھائے رہیں گے لیکن گلوبلائزیشن کا غیر مغربی کردار بڑھتا چلا جائیگا۔ 2020ء تک عوام کے ذہنوں میں 'گلوبلائزیشن' کا لفظ 'امریکی غلبے' کے بجائے 'ابھرتے ہوئے ایشیاء' کے مترادف ہوجائے گا۔''

● ''زیادہ سے زیادہ ملازمتیں امریکہ اور مغربی ممالک سے نکل کر ایشیاء منتقل ہوجائیں گی جس کی وجہ سے امریکہ میں بے روزگاری بڑھ جائیگی اور گلوبلائزیشن کے خلاف تحریک کو تقویت ملے گی۔ دنیا کی معیشت متاثر کن حد تک ترقی کرتی رہے گی اور **2020 تک وہ 2000ء کی نسبت 80 فیصد زیادہ بڑی ہوگی اور اوسط فی کس آمدنی پہلے سے تقریباً 50 فیصد بڑھ جائے گی۔**''

چنانچہ اس دنیائے ڈیووس میں امریکہ یکطرفہ (uni-lateral) فیصلے نہیں کر سکے گا جیسا کہ وہ پیکس امیریکانا میں کرسکتا ہے بلکہ اسے دیگر طاقتوں کو ساتھ لے کر چلنا پڑے گا۔

اس منظر نامے کے آخر میں سن 2020ء میں ورلڈ اکنامک فورم کے سربراہ کی طرف سے امریکہ کے فیڈرل ریزرو کے چیئرمین کے نام ایک فرضی خط پیش کیا گیا ہے جس کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

''جناب چیئرمین: جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ گزشتہ چند سال بہت دشوار تھے آخر کار میں نے ایشیائی ممالک کو بائیکاٹ ختم کرنے پر آمادہ کر ہی لیا۔ اور اس سال ہماری میٹنگ ڈیووس کے بجائے چین میں ہو رہی ہے''... ''شروع میں میرا خیال تھا کہ میں ایشیائی ممالک کو جھکنے پر مجبور کردوں گا۔ لیکن وہ متحد ہوگئے ہیں۔ حتیٰ کہ جاپانی بھی پیچھے ہٹنے پر آمادہ نہ ہوئے... گزشتہ صدی کے آغاز پر ہم گلوبلائیزیشن کو دنیا پر امریکی غلبے سے تعبیر کرتے تھے۔ امریکہ ہی واحد ماڈل تھا، اب گلوبلائیزیشن نے زیادہ ایشیائی چہرہ اپنا لیا ہے اور اگر میں کھل کر کہوں تو امریکہ وہ انجن نہیں رہا جو ہوا کرتا تھا بلکہ اب تمام منڈیاں مشرقی جھکاؤ رکھتی ہیں۔''

لامتناہی خوف کا دور:

موجودہ دور میں دنیا بھر میں امریکی جبر اور ظلم کے خلاف جو اسلامی مزاحمتی تحریکیں جاری ہیں وہ سن 2020ء کے ''لامتناہی خوف کے دور'' میں اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہیں۔ امریکی نکتہ نظر سے ''دہشت گردی'' نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور مسلمان ''دہشت گردوں'' نے حیاتیاتی اور ایٹمی ہتھیاروں کے حصول کے ذریعے دنیا کے مستقبل کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ امریکی ماہرین کے مطابق اس دور میں ابھی مسلمانوں کی کوئی ایک مرکزی ریاست وجود میں نہیں آئی اور نہ ہی سرمایہ دارانہ نظام کا کوئی متبادل نظام پیش کیا جاسکا ہے۔ مسلمان مزاحمت کار اپنے اپنے علاقوں میں منقسم ہوکر گوریلا کاروائیاں کر رہے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق اس دور میں عسکری جدوجہد کے ساتھ ساتھ سیاسی سطح پر بھی اسلام مضبوط ہوا ہے۔ مشرق وسطیٰ کی چند سیکولر حکومتوں کو اکھاڑنے کی تحریکیں زور پکڑ سکتی ہیں نیز القائدہ کی جگہ عالمی سیاسی تحریکیں لے لیں گی۔ یہ دور امریکہ کے لیے تشویش ناک تو ضرور ہے لیکن مسلمانوں کی عدم مرکزیت اور ریاستی پشت پناہی نہ ہونے کی وجہ سے امریکہ سمجھتا ہے کہ وہ ان مزاحمتی تحریکوں کو بزور طاقت کچل سکتا ہے۔ اب آیئے رپورٹ کے مرتبین کے الفاظ میں اس منظر نامے کا تفصیلی جائزہ لیں۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے:

● ''2020ء تک ہم تمام دنیا میں پہلے سے کہیں زیادہ پھیلتے ہوئے احساس عدم تحفظ کی پیشین گوئی کر رہے ہیں جس کی بنیاد مادی خطرات کے ساتھ ساتھ

نفسیاتی احساسات پر بھی ہوگی۔ دنیا کے بیشتر حصے کے امیر تر ہونے کے ساتھ ساتھ گلوبلائزیشن عرصے سے جوں کے توں رہنے والے حالات کو بھی تہہ و بالا کر دے گی۔ نتیجتاً اقتصادی، ثقافتی اور پھر سیاسی افراتفری جنم لے گی۔''

● ''**کمزور حکومتیں، پسماندہ معیشتیں، مذہبی انتہا پسندی اور نوجوانوں کی تعداد میں اضافہ بعض علاقوں میں اندرونی خانہ جنگی کی راہ ہموار کریں گے**...

ہمیں سب سے زیادہ پریشانی اس امر کی ہے کہ ممکن ہے کہ دہشت گرد یا تو حیاتیاتی عناصر (بائیولوجیکل ایجنٹس) حاصل کر لیں یا پھر ایٹمی ہتھیار جس کا کم امکان ہے، جن میں سے کسی ایک کے حصول سے بھی بڑے پیمانے پر اموات ہو سکتی ہیں۔''

● ''**ہم توقع کرتے ہیں کہ سن 2020ء تک القاعدہ کی جگہ اس ہی کے نظریے سے متاثر اسلامی انتہا پسند گروہ لے لیں گے۔**''

● ''**مشرق وسطیٰ کے کسی مسلمان ملک میں انقلابی مسلمانوں (Radical Muslims) کے اقتدار حاصل کر لینے سے علاقے میں دہشت گردی تیزی سے پھیلے گی۔ اور دیگر کے لیے باعث اعتماد ہو گا کہ ''نئی خلافت محض ایک خواب نہیں۔''**

● ''ایسے شواہد ملے ہیں کہ اسلامی انقلابی ایک بین الاقوامی مزاحمتی تحریک چلانا چاہتے ہیں۔ یعنی مسلم انتہا پسندوں کی مہم جس کے تحت نام نہاد کافر سیکولر حکومتیں، جو مسلم اکثریتی علاقوں میں قائم ہیں، انہیں اکھاڑ پھینکنے کی پکار بے شمار مسلمانوں کے لیے باعث کشش ہوگی۔''

اس منظر نامے کے اختتام پر دو ہتھیاروں کے ڈیلروں کے مابین موبائل فون پر SMS کے ذریعے رابطے پر مبنی ایک فرضی ڈائیلاگ پیش کیا گیا ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ کس طرح بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں (WMD) کا کاروبار دنیا بھر میں پھیل چکا ہے۔ اور حکومتوں کی طرف سے سخت ترین حفاظتی اقدامات کے باوجود یہ کاروبار اپنے عروج پر ہے۔ چنانچہ یہ دور ایسے دور کی منظر کشی کرتا ہے جس میں مسلمان اپنے غم و غصے کا اظہار عسکری جدوجہد کے ذریعے کر رہے ہیں لیکن ان کی جدوجہد منتشر ہونے کے ساتھ ساتھ کمزور بھی ہے۔

نئی خلافت:

رپورٹ کا سب سے اہم اور امت مسلمہ کے نکتہ نظر سے خاص منظر نامہ ''نئی خلافت'' کے عنوان سے وہ حصہ ہے جس میں 2020ء تک سیاسی اسلام کو ایک بڑی عالمی طاقت کے طور پر ابھرتا ہوا دکھایا گیا ہے۔ یہ ریاست موجودہ اسلامی ممالک کی موجودہ سرحدوں کو مٹا کر انہیں ایک ریاست میں ضم کر دیگی۔ نیز خلافت ایک متبادل نظام عملاً نافذ کر کے سرمایہ دارانہ نظام اور اس سے پھوٹنے والے افکار اور مغربی اقدار کے لیے ایک بڑا چیلنج پیش کریگی۔ امریکہ کے نکتۂ نظر سے یہ منظر نامہ سب سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ یہ مسلمانوں کو ایک ریاست کے ذریعے منظم کرتا ہے اور ان میں سیاسی وحدت قائم کرتا ہے۔ دوسری طرف یہ مسلم امت کے نکتۂ نگاہ سے مثالی صورت حال ہے جس کے ذریعے گزشتہ 80 سال سے جاری مسلمانوں کے قتل عام اور سیاسی بے وقعتی کا مداوا ممکن ہے۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ مذہبی تشخص کی بنیاد پر انقلابی عالمی تحریک زور پکڑتی ہے جس کے نتیجے میں ایک نئی خلافت کا اعلان ہوتا ہے اور ایک نئی ریاست خلافت کے نام سے وجود میں آتی ہے۔ **یہ خلافت'' ایک متبادل نظریہ پھیلانے میں کامیاب ہوتی ہے جسے دنیا بھر میں بڑے پیمانے پر پذیرائی حاصل ہوتی ہے۔**''

رپورٹ کے مطابق:

● ''خاص طور پر **سیاسی اسلام 2020ء تک اہم عالمی اثرات مرتب کرے گا۔ وہ مختلف نسلوں اور قومیتوں کے لوگوں کو مجتمع کرے گا اور شائد ایک ایسی اتھارٹی (ریاست) قائم کر دے جو ملکوں کی سرحدیں مٹا دے۔**''

● ''کئی اسباب کے ایک ساتھ رونما ہونے سے، مثلاً بے شمار عرب ممالک میں نوجوانوں کی آبادی میں اضافے، مالی بدحالی، مذہبی تعلیم کے اثرات اور ٹریڈ یونینوں، غیر سرکاری اداروں اور سیاسی جماعتوں جیسے اداروں کی اسلامائزیشن کے باعث یقینی ہو جائے گا کہ سیاسی اسلام ایک اہم طاقت کے طور پر برقرار رہے۔''

● ''مشرق وسطیٰ کے باہر ان مسلمان مہاجرین کے لیے سیاسی اسلام بدستور کشش کا باعث رہے گا جو روزگار کی تلاش میں ایک خوشحال مغرب کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں لیکن خود کو ایک اجنبی اور عداوت پر مبنی ماحول میں سمجھتے ہوئے کبھی بھی پرسکون نہیں ہوتے۔''

● ''حکومتوں پر دباؤ کا ایک اہم پہلو، نئی شناخت سے متعلق سیاست (یعنی مذہبی سیاست) (identity politics) کی طرف سے سامنے آئے گا، جس کی بنیاد مذہبی عقائد پر ہوتی ہے۔''

دلچسپ بات یہ ہے کہ خلافت کو دہشت گرد ریاست کے طور پر پیش کرنے کے لیے امریکی ماہرین اس منظر نامے میں اسامہ بن لادن کے پوتے کا ایک خیالی خط پیش کرتے ہیں۔ جو کہ قیام خلافت کے بہت بعد اس کے اہداف میں کامیابی حاصل نہ کرنے سے پریشان ہو کر اپنے ایک رشتہ دار کو لکھا گیا ہے۔

قارئین کی دلچسپی کے لیے اس خط کے چند مندرجات درج ذیل ہیں:

سعید محمد بن لادن

3 جون 2020ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''دادا جان یقیناً پریشان ہو جاتے۔ خلافت اب تک ہماری امیدوں پر پوری نہیں اتری۔ پیارے بھائی جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ دادا خلفاء راشدین کے دور کی طرف لوٹ جانے پر یقین رکھتے تھے جب اسلامی رہنماء اسلام کے حقیقی محافظوں کی حیثیت سے ایک بڑی ریاست کے حکمران تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ خلافت مسلم دنیا پر دوبارہ اپنا پرچم لہرائے، فلسطین اور ایشیاء میں اپنے کھوئے ہوئے علاقوں کا قبضہ دوبارہ حاصل کر لے اور کافر مغربی اثرات جنہیں یہ صلیبی ''گلوبلائزیشن'' کہتے ہیں اکھاڑ پھینکے۔ روحانی اور مادی دنیا ایک بار پھر

دین اور ریاست کے مابین تقسیم کا انکار کرتے ہوئے اللہ کی رضا کے لیے ایک ہو جائے۔ لیکن آخر میں ہم نے دیکھا کہ اعلان خلافت ابھی تک دین اور ریاست کی اس تقسیم کو نہیں مٹا سکی۔ اگرچہ خلافت کے قیام نے صلیبی طاقتوں کے دلوں میں اللہ کا خوف ڈال دیا (جس پر دادا جان خوش ہوتے)، کئی مسلمانوں کے لیے مغربیت نے یقیناً اپنی کشش کھو دی ہے اور **خلافت نے نوآبادیاتی طاقتوں کی بنائی ہوئی کئی فرضی سرحدوں کو مٹا دیا ہے۔**''

''جب میں ماضی کے متعلق سوچتا ہوں تو مجھے سمجھ نہیں آتا کہ ہم سب پہلے نو عمر خلیفہ کے متعلق کیسے لاعلم تھے۔ لیکن بعد میں کافر اور مسلمان سبھی حیران رہ گئے۔ اچانک دنیا بھر میں نوجوان داعی (اس ہونے والے خلیفہ) کی پیروی کی جانے لگی۔ حتیٰ کہ خلافت کے اعلان سے قبل ہی وہ تمام مسلمانوں میں عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا تعلق القاعدہ سے نہیں تھا اور اس نے دادا جان کی طرح کوئی سیاسی تحریک نہیں چلائی تھی۔ وہ تمام وقت پہلے سے زیادہ روحانی حیثیت والا محسوس ہوتا رہا۔ اس کے ہاتھ بے گناہوں کے خون سے رنگے نہ تھے، جس کا بدقسمتی سے دادا جان کو القاعدہ سے تعاون کے باعث سامنا تھا، خواہ انہوں نے اس کا اعتراف کیا یا نہیں۔ **دنیا بھر کے مسلم علاقوں؛ فلپائن، انڈونیشیا، ملائیشیا، ازبکستان، افغانستان اور پاکستان کی طرف سے خلافت سے وفاداری کا اعلان ہوا اور مال و دولت امڈتا چلا آیا۔** چند اعلیٰ طبقہ کے حکمرانوں نے بھی اس کی بیعت کر لی تاکہ اقتدار پر اپنی ڈولتی ہوئی گرفت مضبوط کر سکیں۔ یورپ اور امریکہ میں نام کے مسلمانوں کو اپنی اصل شناخت اور مذہب کا احساس ہو گیا اور بعض صورتوں میں وہ اپنے حیران پریشان مغرب زدہ والدین کو چھوڑ چھاڑ کر اپنے وطن کی طرف لوٹ گئے۔ حتیٰ کہ بعض کافر بھی اس کی روحانیت سے متاثر ہوئے... اور گلوبلائیزیشن (سرمایہ دارانہ نظام) کے خلاف مغربی عوام کے لیے مثالی شخص بن گیا.... تھوڑے ہی عرصے میں یہ خوب واضح ہو گیا کہ ایک نئی خلافت کے اعلان کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا جو بے شمار لوگوں کی آرزو بن چکی تھی...''

''آپ ان کے چہروں کے تأثرات کا تصور نہیں کر سکتے جب اولمپک کھیلوں کے موقعے پر مسلمان کھلاڑیوں نے اپنی قومی وفاداریوں کے بیج اکھاڑ پھینکے اور خلافت کے ساتھ وفاداری کا اعلان کر دیا... سب تیرہ و تار اجڑ ہو گیا- ہمیں اپنے نظریے میں قید کرنے کے لیے مغرب نے جو بلند و بالا عمارتیں تعمیر کی تھیں یعنی جمہوریت، قومیت پر مبنی جغرافیائی حدود میں مقید ریاستیں (nation-states) اور بین الاقوامی نظام جس کے وہ متولی تھے، سب دھڑام سے آن گرا... تیل ان کا مطمع نظر تھا، اور ہم نے انہیں ایک ایک بوند کے لیے اتنا ترسایا جتنا پہلے وہ کبھی نہ ترسے تھے۔ تیل کی منڈیوں میں غیر یقینی صورت حال پیدا ہوگئی اور یہ افواہیں گردش کرنے لگیں کہ امریکہ یا نیٹو تیل کے کنوؤں کو خلافت کے ممکنہ قبضے سے بچانے کے لیے خود قبضہ کر لیں گے۔ بعد میں ہم نے یہ سنا کہ امریکہ اپنے اتحادیوں کو فوجی مداخلت کرنے پر آمادہ نہ کر سکا جبکہ واشنگٹن خود بھی اس امر سے خائف تھا کہ اس کا یہ عمل دنیا بھر کے مسلمانوں میں خطرناک ردعمل کو جنم دے گا...''

لیکن اس کے بعد تمام خط خلافت کی ناکامی کے تذکرے سے بھرا پڑا ہے۔ خط کے الفاظ میں:

''ہمارے عوام بھی مغربی مادہ پرستی کے تصورات سے متاثر ہو رہے ہیں اور اسے اپنانا چاہتے ہیں۔ آہ! یہ انٹرنیٹ- مفید بھی اور شیطانی چال بھی۔ یہی ہے جو خلیفہ کو مکمل اقتدار کو قریب کر رہا ہے اور اس کی دعوت کو دنیا بھر میں پھیلا رہا ہے۔ لیکن یہ ہمارے دشمنوں کا آزمودہ ہتھیار بھی ہے، زیادہ سے زیادہ مسلمان جب یہ دیکھتے ہیں کہ مغرب میں لوگ کیسے زندگی بسر کر رہے ہیں تو وہ بھی انہی اشیاء کی تمنا کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے ساتھ کونسی برائیاں منسلک ہیں۔''

''جب خلافت کا اعلان کیا گیا تھا تب ہماری یہ توقع تھی کہ تمام حکومتیں یکے بعد دیگرے گرتی چلی جائیں گی۔ لیکن ابھی تک ایسا نہیں ہو سکا، اس کے بجائے بہت سی ریاستوں میں ہمارے پیروکاروں کی بڑی تعداد تو موجود ہے، جس سے حکومتیں خطرے میں ہیں لیکن ابھی تک وہ حکومتیں گرانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ہم وسطی ایشیا اور پاکستان اور افغانستان کے کچھ حصوں میں (حکومت گرانے کے) بہت قریب آ گئے ہیں..... روس اپنے علاقے میں مزاحمتی تحریکوں سے لڑنے اور وسطی ایشیا کی آمریتوں کو مدد فراہم کرنے میں مصروف ہے۔ حیرت انگیز طور پر اس بار امریکہ روس کا اتحادی ہے، اور وہ مجاہدین کو روسیوں کے خلاف لڑنے کے لیے ہتھیار فراہم کرنے کے بجائے مجاہدین کے خلاف روسیوں کی امداد کر رہا ہے۔''

''ایک فلسطینی ریاست کے قیام کے باوجود فلسطین میں بھی جدوجہد جاری ہے۔ یہودی اب بھی مسلم علاقوں پر قابض ہیں اور یروشلم پر کنٹرول میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہیں۔ یورپی اقوام کا خیال تھا کہ وہ کسی طرح تہذیبوں کے مابین جنگ سے بچ نکلیں گے۔ لیکن اب وہ مشاہدہ کر رہے ہیں کہ کس طرح ان کے اپنے ممالک میں موجود مسلمان بڑھتی ہوئی تعداد میں خلیفہ کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ امریکہ میں بھی خلیفہ کے کافر پیروکار موجود ہیں جن میں ایک سینیٹر کی بیٹی بھی شامل ہے۔''

اس خط کے بعد رپورٹ کے ماہرین اس خط سے اپنے پالیسی سازوں کے لئے کچھ سبق اخذ کرتے ہیں:

- ''بین الاقوامی نظام کے لیے ایک بڑا خطرہ پیش کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ نئی خلافت ایک مکمل

طور پر کامیاب (مضبوط) ریاست ہی ہو۔ اس منظر نامے کا اہم ترین پہلو ثقافتوں کے مابین وہ نظریاتی بحث ہے جس میں بڑھتی ہوئی مذہبی شناختوں (Religious Identities) کے باعث مزید تیزی آجائے گی۔''

● **مغرب اور مسلم دنیا کے مابین تصادم آئی ٹی انقلاب کے باعث بڑے پیمانے پر پھیل جائے گا۔**

● مسلمانوں میں خلافت کی کشش مختلف علاقوں میں مختلف نوعیت کی ہوگی جس کے باعث مغربی ممالک کو اس کے خلاف اسی نسبت سے مختلف ردعمل اپنانا پڑیگا۔ ان علاقوں کے مسلمان جو گلوبلائیزیشن سے مستفید ہو رہے ہیں، مثلاً ایشیاء کے کچھ حصے اور یورپ کے مسلمان، ایک طرف روحانی خلافت کے تصور اور دوسری طرف گلوبلائیزیشن کے مادی فوائد کی باہم متضاد کشش کا شکار رہیں گے۔

● خلافت کا اعلان دہشت گردی کے امکانات کو کسی طور بھی کم نہ کرے گا...''

رپورٹ کے نتائج

آخر میں پوری رپورٹ سے نتائج اخذ کر کے امریکی ماہرین **''پالیسی سازوں کے لیے نتائج''** کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''**خلافت جیسے منظر نامے کا امکان سب سے بڑا چیلنج ہے کیونکہ یہ ان بنیادوں کو مسترد کر دے گا جن پر موجودہ بین الاقوامی نظام کھڑا ہے۔** اس امکان کے نتیجے میں ہمیں چاہئے کہ ہم ان علاقوں اور معاشروں کو اپنے اندر ضم کرنے اور ان پر اثر انداز ہونے کی کوشش کریں جو خود کو الگ تھلگ اور پسماندہ محسوس کرتے ہیں اور گلوبلائزیشن کے بعض عناصر کو مسترد کرتے ہیں۔ گلوبلائزیشن کے فوائد حاصل کرنے کے لیے ان علاقوں کو محض اقتصادی مواقع فراہم کرنا کافی نہ ہوگا بلکہ مذہبی اور ثقافتی شناخت کے حوالے سے وسعت اختیار کرتا ہوا رجحان اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ اپنی اپنی ریاستوں سے قطع نظر ان شناختوں کو گلوبلائزیشن کی دنیا میں جگہ دینا پڑے گی۔''

پس امریکہ کے لیے ''دنیائے ڈیووس'' اور ''پیکس امریکانا'' جیسے منظر نامے تو خوش کن ہیں لیکن ایک ''لامتناہی خوف کا دور'' اور ''نئی خلافت'' سے ان کی تہذیب کی بنیادیں ابھی سے لرزہ براندام ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر رپورٹ کے اختتام میں **''پالیسی سازوں کے لیے نتائج''** اخذ کرتے ہوئے ''نئی خلافت'' کو کیوں ''سب سے بڑا چیلنج'' قرار دیا گیا ہے؟ آخر اسلام سے سرمایہ دارانہ نظام کو کیا خطرہ ہے جسے گلوبلائیزیشن کے نام سے پوری دنیا پر لاگو کیا جا رہا ہے؟ نیز آخر وہ کون سے مفادات ہیں جن پر خلافت کے قیام سے استعماری خداؤں اور ان کے سرمایہ دار آلۂ کاروں کو زک پہنچتی ہے؟

قیام خلافت سے امریکی خوف کی وجوہات:

آج امریکہ ایک عالمی غنڈے اور وڈیرے سے چنداں مختلف نہیں، جس کا جو جی میں آتا ہے کرتا ہے اور جس کی حدود میں چاہتا ہے گھسا چلا آتا ہے۔ آج ہم پچاس سے زائد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹے ہونے کی بدولت کمزور ہیں۔ لہٰذا وہ ایک کے بعد ایک کو ختم کر رہا ہے۔ افغانستان کے بعد عراق اور اب شام و ایران کو دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔ ''قلعۂ اسلام'' یعنی پاکستان تو پہلے ہی صلیبی جنگوں میں فرنٹ لائن سٹیٹ کا کردار ادا کر رہا ہے۔ اس کا سپاہ سالار کمال جذبۂ ایمانی سے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہے تو دوسری طرف استعماری خداؤں کے چرنوں میں افغان اور عرب مجاہدین کو بھینٹ چڑھانے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر امتِ مسلمہ خلافت کے ذریعے ایک واحد سیاسی اکائی بن جائے تو مسلم امت کے وسائل اور فوج ایک امیر تلے اکھٹے ہو جائیں گے جس کے خلاف کوئی بھی کاروائی کرنے سے پیشتر امریکہ کو ہزار بار سوچنا پڑیگا۔ مسلم امت کے پاس مجموعی طور پر 6405 جنگی جہاز ہیں جبکہ امریکہ کے پاس 5618 جہاز ہیں۔ مسلمانوں کی مجموعی فوج کی تعداد تقریباً 40 لاکھ ہے جبکہ امریکی فوج کی تعداد فقط 16 لاکھ 20 ہزار ہے۔ نیز خلافت قائم ہونے کی صورت میں ایک مسلمان ملک کو دوسرے کے خلاف استعمال بھی نہیں کیا جا سکے گا۔ چنانچہ سیاسی اور عسکری لحاظ سے خلافت کا قیام امریکہ کے لیے واقعی سب سے بڑا چیلنج ہوگا۔

جہاں تک اقتصادی چیلنج کا تعلق ہے تو اسلام سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے میں ایک ایسا نظام دیتا ہے جو استعماری طاقتوں کو عوام کا خون چوسنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کا ایک حکم وہ دروازہ ہی بند کر دیتا ہے جہاں سے استعمار داخل ہو کر ان وسائل پر قبضہ کرتا ہے جنہیں خالق کائنات نے تمام عوام کے لیے مختص کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْمُسْلِمُونَ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ فِي الْمَاءِ وَالْكَلَإِ وَالنَّارِ)) ''تمام مسلمان تین چیزوں میں شرکاء ہیں، پانی، گھاس اور آگ''۔ چنانچہ اسلام کے تحت آگ یعنی توانائی کے وسائل کسی فرد یا ملٹی نیشنل کی ملکیت یا صوابدیدی اختیار میں نہیں دئے جا سکتے۔ لہٰذا تیل اور گیس کے کنویں، بجلی پیدا کرنے والے پاور پلانٹس، معدنیات کی کانیں، نہریں، دریا وغیرہ کسی کی ملکیت میں نہیں آ سکتے۔ ان تمام اثاثہ جات کو ریاست محض عوام کے حوالے سے منظم کرتی ہے، اور عوام تک ان کی رسائی کو ممکن بناتی ہے۔ چنانچہ تیل، گیس، بجلی، کوئلہ، پانی وغیرہ تمام شہریوں کو مفت یا اتنی قیمت میں فراہم کیا جاتا ہے جتنا اس کی پیداوار پر خرچ آیا ہو۔ خلافت کے ذریعہ اسلامی نظام معیشت کے نفاذ کی وجہ سے استعماری ملٹی نیشنل کمپنیاں نہ تو عرب ممالک سے تیل پر قبضہ حاصل کر سکیں گی اور نہ ہی افریقہ کے ہیروں پر ڈاکہ ڈال سکیں گی۔ اس کے ساتھ ساتھ خلافت اسلامی نظام معیشت کے نفاذ سے سود کا بھی خاتمہ کریگی اور دنیا کی کرنسی کو دوبارہ سونے اور چاندی کے ساتھ مربوط کرنے کے لیے عملی اقدامات کریگی۔ تیل کو محض ڈالر اور پاؤنڈ کے بدلے میں بیچنے کی بجائے سونے اور چاندی یا مال کے بدلے بیچا جائیگا یوں بین الاقوامی تجارت میں ڈالر اور پاؤنڈ کی اہمیت کو کاری ضرب لگے گی۔ یوں سرمایہ دارنہ نظام کو خلافت کے قیام سے بڑا دھچکا لگے گا۔

اسلام کی رو سے خلافت ان تمام سیاسی اور اقتصادی اداروں کا حصہ نہیں بن سکتی جن میں اتھارٹی اور غلبہ کافروں کے پاس ہو مثلاً اقوام متحدہ اور ڈبلیو ٹی

اووغیرہ۔ یہ وہ ادارے ہیں جن سے پہلے ہی دنیا کے عوام کا اعتماد اٹھ چکا ہے اور وہ محض کھوکھلے ستونوں پر کھڑے ہیں۔ خلافت ان اداروں میں شمولیت کے بجائے دیگر ممالک مثلاً چین، لاطینی امریکہ اور افریقی ممالک وغیرہ کے ساتھ دوطرفہ تعلقات کی بنیاد پر امریکہ کے خلاف ایک مضبوط سیاسی بلاک بنائیگی۔ یہ ہیں وہ چیلنج جس کا ذکر ڈھکے چھپے الفاظ میں رپورٹ میں کیا گیا ہے۔

ایک اور سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ امریکی تھنک ٹینک اور انٹیلی جنس ایجنسیاں تواتر سے خلافت کے متعلق لکھ رہے ہیں۔ نیز اس رپورٹ میں نئی خلافت کا ذکر کر کے کیا اہداف حاصل کرنا مقصود تھے؟

جب امریکی پالیسی سازوں نے موجودہ دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کی منصوبہ بندی کی تو ان کے سامنے آج کی دنیا میں سیاسی اسلام کے ابھرتے ہوئے خطرے اور مسلم امت کی کروٹ لے کر بیدار ہوتی شناخت سمیت بے شمار عوامل تھے۔ نتیجتاً سوویت یونین کے خاتمے کے بعد اب امریکہ کے لیے دوسرا بڑا خطرہ مسلمانوں کی کھوئی ہوئی وحدت کی بصورت خلافت بحالی ہے۔ اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آج امت مسلمہ کے تمام مفکرین، ادیب، کالم نگار صحافی اور عوام اس بات تک پہنچ چکے ہیں کہ جب تک مسلمان ایک نہ ہوں گے اپنے دشمن امریکہ اور یورپ کے ظلم و جبر سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ چنانچہ جب امریکی ماہرین ایک نئی خلافت کے نام سے ایک منظر نامہ پیش کرتے ہیں تو اس سے وہ کئی مقاصد حاصل کرنے کے خواہاں ہیں۔

1) اولاً اپنے پالیسی سازوں کو خلافت جیسے ابھرتے ہوئے خطرے سے خبردار کرنا اور اس سے نمٹنے کے لیے پہلے سے تیاری کرنا۔

2) ثانیاً اپنے عوام اور دنیا بھر کے عوام کے سامنے خلافت کو بطور دہشت گرد ریاست پیش کرنا تاکہ خلافت کو ایک مجرم، جنونی ذہنیت کے مالک مسلمان انتہا پسندوں کی ریاست کے طور پر دکھایا جائے۔ چنانچہ جب وہ اس کے خلاف کوئی کاروائی کریں تو انہیں عوام کی حمایت حاصل ہو۔

3) ثالثاً مسلمانوں کو یہ تاثر دینا کہ خلافت آج قائم نہیں ہوسکتی بلکہ اس کا قیام آج سے 15 سال دور ہے۔

4) رابعاً مسلمانوں کے اذہان میں مایوسی پیدا کرنا اور یہ تأثر دینا کہ مسلمانوں کے درمیان اس قدر اختلافات ہیں کہ اگر خلافت قائم ہو بھی گئی تب بھی وہ ان اختلافات کی وجہ سے برقرار نہ رہ سکے گی۔ نیز خلافت مسلمانوں کی وحدت کا ہدف پورا نہیں کر سکے گی اور اس کے دور میں افراتفری اور امن وامان کی خراب صورتحال ہوگی۔

رپورٹ میں خلافت کے قیام کو آج سے 15 سال دور دکھایا گیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان وحدت کے لیے جتنے بے تاب آج ہیں اتنے اس سے پیشتر کبھی نہ تھے۔ 1924 میں خلافت کے خاتمے کے باقاعدہ اعلان سے لے کر آج تک امت نے اتنے مصائب اٹھائے ہیں کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ خلافت تو وہ ریاست تھی جو سندھ میں ایک مسلمان خاتون کی پکار پر بغداد سے محمد بن قاسم کی سرکردگی میں لشکر روانہ کر دیا کرتی تھی۔ جس کے آخری کمزور ترین خلیفہ نے بھی صیہونی لیڈر لارڈ ہرٹزل کو فلسطین یہودیوں کو بیچنے کی آفر پر کہا تھا: ''فلسطین میری ذاتی ملکیت نہیں کہ تمہیں سونپ دوں۔ اس کے لیے ہمارے آباؤاجداد نے ہزاروں جانوں کا نذرانہ دیا ہے۔ ریاست کے حصے بخرے کرنے سے بہتر ہے کہ میں اپنے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں۔ ہاں اگر تم خلافت توڑنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ (فلسطین کا علاقہ) شاید تمہیں مفت ہی مل جائے۔'' آج عراق کی جیل سے دو معصوم بہنوں نور اور فاطمہ کے خط مسلمان بھائیوں کو پکارتے ہیں۔ اخباروں میں شائع ہوتے ہیں مگر ہماری افواج متحرک نہیں ہوتیں، ہمارے حکمرانوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ مسلمانوں کی قوت منتشر ہے۔ کوئی ایک بھی حکمران مسلمانوں کا ہمدرد معلوم نہیں ہوتا۔ ہاں سب حکمران امریکہ اور یورپ کے اتحادی ضرور ہیں؛ بلکہ فرنٹ لائن سٹیٹ کے طور پر امریکی جنگ لڑ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت کا قیام وہ بہت بڑا خطرہ ہے جس سے امریکی ماہرین خوفزدہ ہیں۔ اس کے بعد نہ صرف دنیا پر ان کا غلبہ ختم ہونے کا امکان ہے بلکہ کئی مغربی ریاستوں کے گلوبلائزیشن کے ہاتھوں تنگ عوام کو بھی متبادل نظام مل جائے گا۔ وہ نظام جہاں ایک غیر مسلم کے جان و مال اور خون کی حرمت مسلمان کے برابر ہوتی ہے اور اسے اپنے مذہب کے مطابق عبادات کرنے اور شادی بیاہ جیسے ذاتی معاملات نمٹانے کی اجازت ہوتی ہے۔ چنانچہ اسلام کے سایہ دار درخت تلے جس طرح گزشتہ صدیوں میں جوق در جوق عوام اپنے اپنے مذہبوں اور شناختوں سمیت زندگی گزارنے کے لیے خلافت میں چلے آتے تھے وہ دوبارہ خلافت کے جھنڈے تلے پناہ لیں گے۔ آج خلافت کی ضرورت صرف مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ پوری انسانیت کو ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کی چکی تلے پس رہی ہے۔ نیز ہمارے نبی کریم تو آج سے چودہ سو سال پہلے ہی حقیقی پیشین گوئی فرما چکے ہیں۔ مسند احمد میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے:

''تم میں نبوت اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا کہ وہ رہے، پھر جب وہ چاہے گا تو اسے اٹھالے گا۔ پھر نبوت کے طریقے پر خلافت آئیگی اور اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا کہ رہے۔ پھر جب وہ چاہے گا تو اسے اٹھالے گا۔ پھر وراثت پر مبنی حکومت ہوگی اور اس وقت تک رہے گی جب تک کہ اللہ تعالیٰ چاہے گا کہ رہے۔ پھر جب وہ چاہے گا تو اسے اٹھالے گا۔ پھر آمرانہ حکومت ہوگی اور اس قت تک رہے گی جب تک کہ اللہ تعالیٰ چاہے گا کہ رہے۔ پھر جب وہ چاہے گا تو اسے اٹھالے گا۔ پھر نبوت کے طریقے پر خلافت آئیگی۔ پھر آپ ﷺ خاموش ہوگئے (یعنی اس کے ختم ہونے کی بات نہیں کی)۔''

• • •

خلافت کو مغربی افکار اور اصطلاحوں کی عینک سے دیکھنا ایک فاش غلطی ہے

نوید بٹ
navid.butt@yahoo.com

مؤقر روزنامہ نوائے وقت کے ایک ملی ایڈیشن میں محترم مولانا عبدالمالک کا مضمون بعنوان ''نظام خلافت (میثاق اسلام) شائع ہوا۔ اس میں محترم مضمون نگار نے مختلف علماء کی طرف سے مشترکہ طور پر پیش کردہ میثاق اسلام کا بھی حوالہ دیا ہے۔ اگرچہ علماء کرام کی جانب سے خلافت کے لئے جدوجہد کرنے کی آواز بلند کرنا خوش آئند قدم ہے لیکن افسوس کہ پورے مضمون میں ''خلافت'' سے متعلق چند سطور کے علاوہ باقی تمام اصطلاحات اور افکار مغربی سوچ پر مبنی ہیں۔

مضمون نگار میثاق اسلام کا ایک نکتہ نقل کرتے ہوئے خلافت کو ''اسلام، آزادی اور پابندِ اسلام جمہوریت'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ قابل غور امر یہ ہے کہ اگر خلافت جمہوریت ہی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ایک ایسا تصور جو کہ اسلام سے ہزاروں سال پرانا تھا کسی آیت، حدیث اور قول صحابہؓ میں جگہ نہ پا سکا۔ آخر کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں جو کچھ لایا ہوں وہ درحقیقت ارسطو کے فلسفے کی تشریح و توثیق ہی ہے؟ (نعوذ باللہ) جمہوریت فقط عوام کا اپنا من پسند شخص چننے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک ایسا نظام ہے جس میں ہر اچھا یا برا قانون اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک کہ پارلیمنٹ کے ممبران کی اکثریت اس کی توثیق نہ کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کا منتخب کردہ حکمران اگر عنان اقتدار سنبھالنے کے بعد لوگوں سے مشورہ تو لے مگر تمام فیصلے اکثریت کی خواہش کو نظر انداز کرتے ہوئے ازخود کرے تو ایسی حکومت کو کبھی بھی جمہوری حکومت نہیں کہا جاتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ **جمہوریت کی اساس الیکشن نہیں بلکہ قانون سازی کا اختیار انسان کو تفویض کرنا ہے۔** چنانچہ ''پابند اسلام جمہوریت'' میں بھی ایک اسلامی قانون محض اس لئے ملکی قانون نہیں بنتا کہ اس کا حکم اللہ اور اس کے رسول ﷺ دے رہے ہیں بلکہ فقط اس لئے کہ عوام کے نمائندوں کی اکثریت اس کی توثیق کر رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سود کی حرمت جیسا واضح شرعی حکم آج ملکی قانون کا درجہ نہیں رکھتا کیونکہ اس کی توثیق میں پارلیمنٹ کی اکثریت نے ووٹ نہیں ڈالا۔ یہ ایسے ہی ہے کہ ایک کمپنی کا سربراہ جب تک اپنے ماتحت افسران کی سفارشات پر دستخط نہ کر دے وہ محض سفارشات ہی رہتی ہیں قابل نفاذ پالیسیاں نہیں بنتیں۔ افسوس اسلامی جمہوریت میں اللہ اور بالا دست پارلیمنٹ کا بھی یہی رشتہ ہے۔ اللہ کے قوانین نعوذ باللہ محض اچھی سفارشات ہیں اور چونکہ ابھی تک پارلیمنٹ میں بیٹھے اکثریتی ''خداؤں'' نے ان سفارشات پر دستخط کرنے کا فیصلہ نہیں کیا، لہٰذا یہ ملکی قانون کا درجہ نہیں رکھتے۔

سود کی حرمت کے قانون کو معاشرے میں لاگو کرنے کے لئے اگر کسی بھی ذات، ہستی یا ادارے کی اجازت یا توثیق کی ضرورت پڑے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ذات، ہستی یا ادارہ اللہ اور رسولؐ سے بالاتر اور متقدم ہے۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ پاکستان کے آئین میں وارد شدہ ''پابند اسلام جمہوریت'' کسی بھی خالص سیکولر جمہوریت کی طرح حاکمیت اعلیٰ انسان کو تفویض کرتی ہے، اللہ کی شریعت کو نہیں۔ کیا خلفاء راشدینؓ کے دور میں سود کی حرمت کو لاگو کرنے کے لئے اہل حل و عقد یا اہل شوریٰ کے نمائندوں کی اکثریت کے دستخطوں کی ضرورت ہوتی تھی؟ کیا صحابہؓ کے دور میں اللہ کے قوانین کے بجائے عوام کفر کے تحت زندگی بسر کرتے رہتے تھے جب تک کہ کوئی ذات یا ادارہ ان اللہ کے قوانین پر مہر تثبیت ثبت نہ کر دیتا؟ تو اللہ کے قوانین کو ملکی قوانین بنانے کے لئے آخر ہم کیوں 51 فیصد اکثریت کی شرط قبول کریں؟ نیز اللہ تو بڑے واضح انداز میں اس بات کی ممانعت بیان فرماتے ہیں کہ اللہ اور رسولؐ کے حکم کے بعد مسلمان مرد اور عورت کو ''ہاں'' یا ''ناں'' کہنے کا کوئی اختیار نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (الاحزاب:36)

''اللہ اور اس کا رسول جب کوئی فیصلہ کریں تو کسی مومن مرد یا عورت کے لیے اس فیصلہ میں کوئی اختیار نہیں۔''

قرآن کا یہ کہنا کہ اللہ کے فیصلے کے بعد مسلمان کے پاس ''کوئی اختیار نہیں'' پابند اسلام جمہوریت یا اسلامی جمہوریت کی مکمل نفی کرتا ہے۔ اسلامی جمہوریت میں بھی اللہ کے فیصلے کے بعد انسان کو یہ اختیار حاصل رہتا ہے کہ وہ اس پر رائے شماری کرائے اور پھر اکثریت کہے تو یہ فیصلہ قبول کر لیا جائے اور اگر اکثریت رد کر دے تو پھر اللہ کا یہ فیصلہ مسترد سمجھا جائے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر پارلیمنٹ میں سب کے سب باشرع افراد بھی ہوں اور ان کے حضور اللہ کے واضح احکامات مثلاً سود کی حرمت، شراب کی حرمت، زنا کی حرمت وغیرہ جیسے قوانین پیش کئے جائیں اور پھر سپیکر اس پر ''رائے شماری'' کروائے کہ آیا اکثریت ان اللہ کے احکامات کو ملکی قوانین بنانے کے حق میں ہے یا اسے رد کرنے کے اور وہ تمام باشرع حضرات رائے شماری میں حصہ لیں اور سو فیصدی اکثریت کے ساتھ اس ''فیصلے'' کی توثیق کر دیں تو یہ عمل بذات خود حرام عمل ہوگا۔ کیونکہ ایسا کرنا مندرجہ بالا آیت کے منافی ہے جس میں اللہ نے صریحاً حکم جاری فرما دیا ہے کہ اللہ کے حکم کے بعد مسلمان کے پاس ''ہاں''

کہنے کا اختیار ہے اور نہ ہی ''ناں'' کہنے کی جرأت۔ اللہ کے قطعی حکم کے بعد اس پر بحث یا رائے شماری کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ اب محض اسے من وعن نافذ کیا جائیگا۔ اور اس نفاذ میں رخنہ ڈالنے والے کے خلاف مذاکرات، ڈیل یا سمجھوتہ نہیں بلکہ قتال کیا جائیگا۔ یہ ہے حاکمیت اعلیٰ اللہ کو تفویض کرنے کا اصل مفہوم۔

یہ امر واضح رہے کہ آزادیاں اور ''جمہوریت'' خالصتاً مغربی اصطلاحات ہیں جنہیں استعمال کرتے ہوئے ہمیں خصوصی احتیاط برتنی چاہیے۔ انہیں اسلامی افکار اور نظاموں کی وضاحت کرتے ہوئے استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ جس طرح بعض مسلمان راہنما اپنے بیانات میں دہشت گردی کا لفظ استعمال کر کے اس کی مذمت کرتے ہیں خواہ وہ بعد میں یہ بھی فرماتے رہیں کہ ہماری تعریف کے مطابق کشمیر اور فلسطین میں ہونے والا جہاد دہشت گردی کے زمرے میں نہیں آتا۔ لیکن چونکہ عالمی سطح پر استعمار نے دہشت گردی کی ایک مخصوص تعریف متعین کر دی ہے لہذا اس مسلمان راہنما کا بیان بھی مغرب ہی کو سیاسی طور پر مدد فراہم کریگا۔ لہذا اس اصطلاح کا استعمال ہی دانستہ یا نادانستہ طور پر مغربی ایجنڈے کی تکمیل کریگا۔ لہذا معلوم ہوا کہ اصطلاحات کا سیاسی میدان میں کس قدر اہم رول ہے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم نے صحابہؓ کو متنبہ فرمایا: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَسْمَعُوْا...﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! رَاعِنا نہ کہا کرو، بلکہ اُنْظُرْنا کہو اور توجہ سے بات کو سنو...'' (البقرۃ :104) چونکہ ''رَاعِنا'' کے دو معانی تھے اور کفار اسے تحقیر کے معنوں میں استعمال کر رہے تھے لہذا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اس لفظ سے آپ ﷺ کو مخاطب نہ کریں حالانکہ اس ''اصطلاح'' سے مسلمانوں کی مراد وہ منفی معنی نہ تھے۔ دہشت گردی کی طرح جمہوریت کی اصطلاح کا بھی یہی معاملہ ہے کیونکہ اس اصطلاح کا ایک خاص مفہوم اور معنی ہے جو ہزاروں سال سے مغرب کے یہاں مستعمل ہے۔ حتیٰ کہ اسلام سے قبل بھی اس اصطلاح کا ایک متعین معنی تھا جو آج تک برقرار ہے یعنی انسان کی قانون سازی، انسانوں کے لئے اور انسانوں کے ذریعے۔ چنانچہ جمہوریت سے مراد صرف الیکشن کے ذریعے اپنا راہنما منتخب کرنا نہیں بلکہ اس کا اصل مفہوم قانون سازی کا اختیار انسان کو تفویض کرنا ہے۔ جبکہ اسلام میں قانون ساز فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ ''حکم تو صرف اللہ ہی کے لئے ہے''۔ عوام کا منتخب کردہ خلیفہ محض قانون الٰہی کو نافذ کرنے کا مجاز ہے۔ اور وہ اس قانون میں ذرّہ بھر بھی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ پس جمہوریت کی اصطلاح استعمال کر کے بھی ہم کفار ہی کے ایجنڈے کی تکمیل میں نادانستہ طور پر شامل ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے اس مغربی اصطلاح کے ساتھ اسلامی کا سابقہ یا لاحقہ لگا کر اسے حلال نہیں بنایا جا سکتا۔ اسی طرح آزادی کی اصطلاح کے استعمال سے بھی ہم اسی غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہی وہ اصطلاح ہے جسے مغرب نے مخصوص معنی پہنا دئے ہیں جن سے مراد استعمار سے آزادی یا غلامی سے آزادی نہیں بلکہ چار طرح کی آزادیاں ہیں یعنی آزادئ رائے، ملکیت کی آزادی، شخصی آزادی اور مذہبی آزادی۔ اور انہیں آزادیوں کے حامل معاشرے کو وہ نہایت ہی غرور سے ''آزاد معاشرے'' (Free societies) کہتے ہیں۔ نیز بش صاحب کئی دفعہ یہ بھی فرما چکے ہیں کہ ان ''دہشت گردوں'' نے آزاد دنیا (free world) کے خلاف جنگ شروع کی ہے یعنی وہ دنیا جو آزادیوں کے تصور پر یقین رکھتی ہے۔ آزادیوں (freedoms) کا مغربی تصور اسلام سے صریحاً متصادم اور متناقض ہے۔ اسلام میں ''شخصی آزادی'' کی کوئی گنجائش نہیں جس کے تحت زنا بالرضا کوئی جرم نہیں ہوتا۔ یہ امر سب جانتے ہیں کہ ''رائے کی آزادی'' ہی کو بنیاد بنا کر توہین رسالت کا ارتکاب کیا جاتا ہے اور یہ فکر بھی اسلام سے متصادم ہے۔ اسی طرح اسلام ''مذہبی آزادی'' کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ جس کو بنیاد بنا کر مغربی حکومتیں مرتدین کو تحفظ فراہم کرتی ہیں۔ اسی طرح ''ملکیت کی مطلق آزادی'' جس کو بنیاد بنا کر تیل اور گیس جیسے عوامی اثاثہ جات استعماری ملٹی نیشنل کمپنیوں کے حوالے کئے جاتے ہیں اسلام کے قوانین کے منافی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام آزادی نہیں بلکہ غلامی کا نام ہے کیونکہ اسلام کے مطابق انسان اللہ کا عبد یا غلام ہے نہ کہ اپنی مرضی سے زندگی گزارنے میں آزاد۔ جیسا کہ مصنف نے خود ربعی بن عامرؓ کے الفاظ یوں بیان کئے ہیں: ''ہم تمہاری طرف اس لئے آئے ہیں کہ تمہیں بندوں کی غلامی سے نکال کر بندوں کے رب کی غلامی میں داخل کر دیں''۔ رہی بات حکمران کا محاسبہ، کسی کافر کو زبردستی مسلمان نہ بنانا نیز گاڑی، بنگلہ وغیرہ کو ذاتی ملکیت میں رکھنا تو یہ سب کچھ ''آزادیوں'' کی وجہ سے نہیں بلکہ اسلام میں ان تمام سے متعلق فرداً فرداً احکامات موجود ہیں اور ان احکامات کی اتباع کی وجہ سے ہی انسان اللہ کا عبد بنتا ہے۔

اب جہاں تک خلافت کا تعلق ہے تو اس میں جمہوریت اور آمریت کے برخلاف خلیفہ اور نہ ہی مجلس امت (مشورہ دینے والی مجلس) کے پاس قانون سازی کا اختیار ہے بلکہ خلیفہ کی ذمہ داری محض اسلامی قوانین کا نفاذ ہوتی ہے۔ جمہوریت اور آمریت میں جو قدر مشترک ہے وہ قانون سازی کا اختیار انسان کو تفویض کرنا ہے۔ اور اسی سے اسلام اختلاف کرتا ہے۔ چنانچہ اقتصادی نظام، حکومتی نظام، معاشرتی نظام، عدالتی نظام، تعلیمی پالیسی اور خارجہ پالیسی کے نہ صرف اصول بلکہ تفصیلی احکامات قرآن وسنت سے اخذ کئے جاتے ہیں، جنہیں خلیفہ محض نافذ کرتا ہے۔ نیز ان میں خلیفہ یا مجلس امت اپنی مرضی سے کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے۔ رہی بات مباح معاملات، انتظامی قوانین یا اسالیب (procedures) کی تو یہ قانون سازی (legislation) سے مختلف ہیں کیونکہ ان امور کو شارع (اللہ) نے پہلے ہی حلال قرار دے کر ان کے بارے میں قانون سازی کر دی ہوئی ہے۔ حکومت فقط یہ فیصلہ کرتی ہے کہ آیا ان حلال امور کو ان مخصوص حالات میں اختیار کیا جائے یا نہیں۔ اللہ نے ہمیں اختیار دیا ہے کہ ہم ان امور میں اپنے مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کریں۔ مباح امور کی دو

قسمیں ہیں: وہ امور جن میں عوام خاطر خواہ علم رکھتے ہیں اور وہ امور جن کے بارے میں صرف اہل علم اور تکنیکی ماہرین ہی صحیح رائے دے سکتے ہوں اور عوام ان کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:-

1)a) وہ مباح امور جن میں عوام خاطر خواہ علم رکھتے ہیں ان میں عوام کی اکثریت کی رائے پر خلیفہ چلنے کا پابند ہوتا ہے مثلاً اگر خلیفہ ایک شہر کے باسیوں سے یہ استفسار کرلے کہ انہیں ہسپتالوں یا اسکولوں میں سے کون سی شے کی زیادہ ضرورت ہے تو ایسی صورت میں عوام کی اکثریت (یعنی ان کے نمائندوں کی اکثریت) کا فیصلہ خلیفہ کے لیے نافذ کرنا لازمی ہوگا۔

عام طور پر کچھ لوگ اسلام کے اس مخصوص حکم کو عمومی سمجھ کر، خلافت کو جمہوریت پر قیاس کر لیتے ہیں۔

2) دوسری طرف خلیفہ مباح تکنیکی مسائل میں عوام الناس کی بجائے فقط ماہرین سے رجوع کرتا ہے اور ان سے مشورے کے بعد اس کی نظر میں جو بھی رائے زیادہ مناسب ہو وہ اسے اختیار کرتا ہے۔ اس میں عوام کی یا تکنیکی ماہرین کی اکثریت کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ چنانچہ اگر پانی کی قلت کا سامنا ہو تو خلیفہ تکنیکی ماہرین سے مشورہ کرنے کے بعد حتمی فیصلہ کرنے کا مجاز ہوگا کہ ڈیم کہاں اور کتنا بڑا بنایا جائے۔ لیکن ان تمام امور میں امت اور ان کے نمائندے خلیفہ کا محاسبہ کرنے کا حق رکھتے ہیں تاکہ وہ اپنے اختیارات کا استعمال عوامی بھلائی میں کرے نہ کہ ذاتی مفاد میں۔

مضمون نگار مجلس شوریٰ کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''پھر ان کی قانون سازی بھی قرآن و سنت کے بیان کردہ اصول کے دائرے میں ہوسکتی ہے۔ اس کے خلاف قانون بنانے کا ان کو اختیار نہیں''۔ پاکستان کے آئین میں بھی یہی کہا گیا ہے کہ کوئی نیا قانون نہیں بنایا جائیگا جو اسلام کے اصولوں سے متصادم ہو۔ آئین کی یہ شق عوام کو دو پہلوؤں سے دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔

اولاً: یہ کہنا کہ مجلس شوریٰ ایسے تمام قوانین بنا سکتی ہے جو اسلام کے احکامات سے متصادم نہ ہوں- ایک درست اصول نہیں ہے اور اس شق کے نفاذ کے نتیجے میں اسلامی نظام نافذ نہیں ہوگا۔ وہ اس لئے کہ دنیا میں ایسے بے شمار قوانین اور اعمال موجود ہیں جنہیں اسلام صریحاً رد نہیں کرتا مگر وہ تمام غیر اسلامی ہیں۔ مثلاً کسی بھی آیت یا حدیث میں آگ کے گرد سات پھیرے لگا کر شادی کرنے کی ممانعت وارد نہیں ہوئی۔ نہ ہی کوئی حدیث صریحاً کسی عورت کی امامت کی ممانعت کرتی ہے۔ لیکن ان دونوں افعال کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، محض اس لئے کہ ان کو اسلامی قرار دینے کے لئے یا ان کی توثیق میں کوئی آیت یا حدیث وارد نہیں ہوئی۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ یہ کہنا کہ ہر وہ عمل مباح ہے جس کے بارے میں صریحاً نہی وارد نہ ہوئی ہو، غلطی پر مبنی ہے۔ اسلام محض ممنوعہ اعمال بیان کرنے کا مجموعہ نہیں کہ وہ دنیا میں ہونے والے ہر عمل کی نہی بیان کرتا پھرے اور اگر کسی چیز کی واضح نہی بیان نہ کی گئی ہو تو اسے ہم مباح تصور کر لیں۔ بلکہ اسلام ایک نظام ہے جو اپنے پیروکاروں کو اس تمام کی پیروی کرنے کا حکم دیتا ہے جو قرآن اور وحی میں نازل کیا گیا اور باقی تمام نظاموں اور قوانین کو رد کرنے کا حکم دیتا ہے۔۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے واضح انداز میں فرمادیا: (مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَرَدٌّ) ''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں، تو وہ عمل مسترد ہے۔'' (مَن اَحْدَثَ فِي اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيسَ مِنهُ فَهُوَ رَدٌّ) ''جس شخص نے ہمارے اس معاملے (دین کے معاملے میں) کوئی نئی بات پیدا کی، جو اس میں سے نہ ہو، تو وہ مردود ہے۔'' لہذا کسی بھی عمل یا قانون کے قابل قبول ہونے کے لئے اس عمل یا قانون کے حق میں اسلام سے دلیل لانا ضروری ہوتا ہے نہ کہ کسی بھی عمل کو حرام قرار دینے کے لئے۔ آج آگ کے اردگرد سات پھیرے لگا کر شادی کرنا اور عورت کی امامت میں مردوں کا نماز پڑھنا اس لئے حرام ہے کیونکہ اس کے حق میں شریعت سے کوئی دلیل نہیں ملتی۔ یہاں میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ انسانی افعال اور قوانین سے متعلق یہ اسلامی اصول اشیاء پر لاگو نہیں ہوتا۔ اسلام ہمیں اشیاء کی حلت یا حرمت کے لئے مختلف اصول دیتا ہے۔ ایک شئے اس وقت تک مباح ہے جب تک کہ اس کی حرمت کی دلیل نہ ملتی ہو کیونکہ ہمیں قرآن میں اشیاء کے عمومی طور پر مباح ہونے کی دلیل ملتی ہے۔ قرآن میں وارد ہوا ہے: ﴿أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّافِي الْاَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظٰهِرَةً وَ بَاطِنَةً﴾ (لقمان: 20) ''کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخّر کر دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اس نے تم پر اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی پوری کر دی ہیں۔'' چنانچہ کمپیوٹر، انٹرنیٹ، DVD، VCD، جہاز، ٹینک، گاڑی وغیرہ تمام مباح اشیاء ہیں چونکہ ان کی حرمت کی اسلام سے کوئی دلیل نہیں ملتی۔ یہی معاملہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا ہے جس کے بارے میں حضور ﷺ کی کھجوروں کی افزائش نسل کے بارے میں حدیث میں وضاحت فرمائی گئی ہے۔

آج پاکستان میں دیگر نظام ہائے حیات سے تمام نظریات، قوانین اور افکار اخذ کرنے کو اس بنیاد پر جائز قرار دیا جاتا ہے کہ وہ اسلام سے متصادم نہیں۔ لہذا اسی اصول کے تحت ہم پاکستان میں سرمایہ دارانہ نظام کو محض معمولی سے ردوبدل کے بعد پورا کا پورا نافذ العمل دیکھتے ہیں۔ ہم نے تمام مغربی قوانین، جملہ آزادیاں، سٹاک ایکسچینج، انشورنس، فیوچرز ٹریڈنگ، انٹیلیکچوئل پراپرٹی رائٹس، تیل اور گیس کی نجکاری وغیرہ کو اس بنیاد پر قبول کرلیا ہے کہ اسلام میں ان کے خلاف کوئی واضح حکم موجود نہیں۔ یوں استحصالی سرمایہ دارانہ نظام کے نفاذ کے بعد اسلامی نظریاتی کونسل اور عوام کی ذمہ داری ٹھہرتی ہے کہ وہ اسلام کے مخالف قوانین چن چن کر نکالنے میں وقت ضائع کریں۔ جیسا کہ سود کے مسئلے پر واضح حکم الٰہی موجود ہونے کے باوجود برسہا برس اس پر ضائع ہو چکے ہیں۔ جبکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ہر قانون کو قرآن، سنت، اجماع الصحابہ یا قیاس سے اخذ کیا جاتا۔ نیز یہ حکمران کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ہر قانون کے اسلامی ہونے کی دلیل فراہم کرے نہ کہ عوام کی۔ لہذا آئین کی یہ

شق کہ:

"No Law shall be enacted which is repugnant to such injuctions *[i.e. islamic injuctions]*"

یعنی ''اسلام کے قوانین سے متصادم کوئی قانون سازی نہیں کی جائیگی'' بذات خود غلط ہے۔ کیونکہ یہ شق اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ قوانین قرآن وسنت کے علاوہ کسی بھی مآخذ سے اخذ کئے جاسکتے ہیں اوراس کے بعد یہ دیکھا جائے گا کہ قرآن وسنت میں اس قانون کے خلاف کوئی نہی موجود ہے یا نہیں۔ حال ہی میں امریکی ایما پر بننے والے افغانی اورعراقی آئین میں بھی یہی شق شامل کر کے مخلص مسلمانوں کو دھوکہ دیا گیا ہے۔

"no law can be contrary to the sacred religion of Islam" (Constitution of Afghanistan Article 3)

"No law that contradicts the established provisions of Islam may be established" (Iraq's Constitution Section One, Article 2(A))

امریکہ نے یہ شق اسی لئے عراق اور افغانستان کے آئین میں داخل کی ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس شق کو نافذ کر کے اسلامی نظام جنم نہیں لے سکتا اوراس کے ذریعے مخلص عناصر کو بھی دھوکہ دیا جاسکے گا۔ دراصل اسلامی ریاست کے آئین میں صحیح شق یہ ہوگی کہ ''قرآن، سنت، اجماع الصحابہ اور قیاس کے علاوہ کسی بھی مآخذ سے قانون اخذ نہیں کیا جائیگا''

"Legislation cannot be taken from any source other than Qur'an, Sunnah, Ijma-e-Sahaba and Qiyas"

یہ شق حکمرانوں کو ہر قانون کے لئے اسلامی مآخذ کی طرف رجوع کرنے پر مجبور کرتی ہے جس کی بدولت اسلامی نظام نافذ ہوتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آج اگر 73 کے آئین کی موجودگی میں کفر نافذ ہے تو اس کی وجہ وہ غیر اسلامی شقیں ہیں جن سے کبھی بھی اسلام جنم نہیں لے سکتا۔ اس کی وجہ محض ''برے حکمرانوں'' پر نہیں ڈالی جاسکتی گو کہ وہ بھی اس کفریہ نظام کے نفاذ میں برابر کے شریک ہیں۔

ثانیاً: اس طرح کی آئینی شقوں کے ذریعے انگریز کے صدیوں پرانے کفریہ نظام کو جاری رکھنے کا بہانہ پیش کیا گیا۔ عوام کو یہ توجیح پیش کی گئی کہ ہم آہستہ آہستہ کفریہ نظام کو اسلام کے مطابق بنائیں گے چنانچہ فی الحال انہیں اس کفر کو برداشت کرنا پڑیگا۔ نیز عوام کو یہ لالی پاپ بھی دیا گیا کہ آئندہ قوانین اسلام کے خلاف نہیں بنائیں گے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ انگریز جو نظام چھوڑ کر گیا تھا وہ خالصتاً سیکولر اور کفریہ تھا۔ ان قوانین کو یک زد قلم منسوخ کر کے اسلامی قوانین کا اجراء کرنے کے بجائے پاکستان کی مقتدر قوتوں نے انگریز کے نظام اور قوانین کا نفاذ جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ پس عوام کو یہ کہنا کہ انگریز کا نظام تو ابھی چلتا رہیگا البتہ ہم نئے قوانین غیر اسلامی نہیں بنائیں گے سراسر دوغلے پن پر مبنی ہے۔ مزید برآں اگر ایک نظام کئی دھائیوں سے مکمل طور پر نافذ ہو تو اس میں نئی قانون سازی کی زیادہ گنجائش نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ سب جانتے ہیں کہ انگریز کے چھوڑے نظام میں گزشتہ پچپن سالوں کے دوران کس قدر کم تبدیلیاں آئی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ریاست نے کلمہ پڑھ لیا ہے تو پھر انگریز کے چھوڑے ہوئے کفریہ نظام کا نفاذ کیوں؟ آخر کیا شئے ہے جو مسلمانوں کو اسلام نافذ کرنے کے بجائے انگریز کے چھوڑے ہوئے کفریہ عدالتی، معاشرتی اور حکومتی نظام نافذ کرنے پر مجبور کر رہی ہے؟ جواب واضح ہے ،یعنی 51 فیصد کی جمہوری شرط جو ہم مسلمانوں نے آئین کے ذریعے اپنے اوپر مسلط کر لی ہے۔ اس شرط کے ہوتے ہوئے چاہے ہم آئین میں اسلامائزیشن کی سینکڑوں شقیں شامل کر لیں تو بھی اسلام نافذ نہیں ہوسکے گا۔ یہ قانون سازی کا جمہوری طریقہ کار ہی ہے جو اسلام کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ اور شر کی سب سے بڑی سبیل ہے۔

مزید برآں ''میثاق اسلام'' میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب ہر ملک میں اور ہر قوم میں علیحدہ علیحدہ امیر بنانے کی رسم چل پڑی ہو تو پھر اسلامی طریقے کے مطابق ہر ملک کے مسلمانوں کی اکثریت جس کو امیر منتخب کرے، وہی اسلامی ملک کا امیر کہلائے گا بشرطیکہ وہ بعض اسلامی شرائط پوری کرے۔ یہ سوچ سراسر اسلام سے متصادم ہے۔ اولاً یہ کہ ہم سب جانتے ہیں کہ کسی باطل رسم کا جڑ پکڑ لینا کوئی شرعی سبب ہے نہ کوئی شرعی نص، جس کی بنیاد پر نئے احکام اخذ کئے جائیں۔ موجودہ مسلم معاشروں میں عورت کا بے حجاب پھرنا اور سودی کاروبار کا ہونا ایک عام بات بن چکی ہے تو کیا اب ہمیں اسے بھی ''رسم'' سمجھ کر قبول کر لینا چاہئے؟ ہرگز نہیں! ثانیاً کوئی رسم قرآن وسنت کے احکام کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ مسلمانوں کا خلیفہ صرف اور صرف ایک ہی ہوسکتا ہے اور اسلام میں قومیت یا کسی اور بنیاد پر متفرق ریاستیں قائم کرنا حرام ہے۔ یہ مصنوعی سرحدیں اور پنجرے نما ممالک محمد ﷺ نے نہیں بلکہ استعمار نے بنائے ہیں جسے مسلمان قبول نہیں کر سکتے۔ رسول عربی ﷺ نے فرمایا تھا: ((**اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الآخر منهما**)) ''اگر دو خلفاء کے ہاتھ پر بیعت ہو جائے تو دوسرے کی گردن اڑا دو''۔ یہ حدیث صراحت سے بیان فرماتی ہے کہ مسلمانوں کا ایک سے زائد خلیفہ وامیر ہونا حرام ہے اور ایسا کرنے والے کی گردن اڑادی جانی چاہئے۔

مضمون نگار نے 73 کے آئین کے بعینہٖ بحالی کا مطالبہ کیا ہے جبکہ یہی وہ آئین ہے جس کے تحت تحفظ حقوق نسواں جیسا بل منظور کر کے حدود آرڈیننس میں ترمیم کی جاتی ہے۔ یہی وہ آئین ہے جس کے تحت

بقیہ صفحہ نمبر 33 پر

28 رجب - یومِ سقوطِ خلافت

www.khilafat.pk

دنیا بھر میں حزب التحریر کی کانفرنس اور سیمینارز - ایک لاکھ سے زائد لوگوں کی شرکت

میگزین رپورٹ

28 رجب 1342ھ بمطابق 3 مارچ 1924

وہ دن تھا جب برطانیہ کے ایجنٹ ملعون مصطفیٰ کمال اتاترک نے خلافتِ اسلامیہ کے خاتمے کا اعلان کیا اور یوں مسلمانوں کو ان کی ڈھال سے محروم کر دیا گیا، وہ ڈھال جو صدیوں سے نا صرف مسلمانوں کی جان، مال، عزت اور ان کے عقیدے کی محافظ تھی بلکہ اس نے انسانیت کو سکھ کا سانس دیا تھا۔

آجکل ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ استعماری کفار

جکارتہ خلافت کانفرنس - اس سٹیڈیم کا فضائی منظر جہاں کانفرنس کا انعقاد ہوا

جکارتہ خلافت کانفرنس - کانفرنس کے شرکاء کی طرف سے اسلامی جھنڈے لہرانے کے پروقار مناظر

جکارتہ خلافت کانفرنس - بی بی سی کے مطابق کانفرنس میں عورتوں کی تعداد زیادہ تھی اور سبھی اسلامی لباس میں ملبوس تھیں

امریکہ کی سرکردگی میں اسلام کے نفاذ کے خلاف متحرک ہیں۔ اب وہ ڈھکے چھپے لفظوں کی بجائے براہِ راست اسلام اور اسلام کے افکار پر حملے کر رہے ہیں اور وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ اسلام کا عملی نفاذ، جو کہ ریاستِ خلافت کے قیام کی شکل میں ہوگا ان کے لیے خطرے کی گھنٹی ہوگی، اسی لیے وہ اور مسلم علاقوں پر مسلط ان کے ایجنٹ حکمران اسلام کے نفاذ کے خلاف متحرک ہیں اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ مسلم ممالک میں موجود مسلمان مغرب کے دیئے ہوئے نظاموں میں الجھے رہیں چاہے یہ آمریت کی شکل میں ہو یا پھر جمہوریت کی شکل میں، کیونکہ یہ دونوں نظام

جکارتہ خلافت کانفرنس - حزب التحریر کے نوجوان اسلامی جھنڈوں کے ساتھ سٹیڈیم کا چکر لگاتے ہوئے

جکارتہ خلافت کانفرنس - حزب التحریر کے رہنما گاڑی میں شرکاء کے نعروں کا جواب دیتے ہوئے، جبکہ دوسری طرف کانفرنس کے اختتام پر رہنما دعا مانگ رہے ہیں

سوڈان- یومِ سقوطِ خلافت کے موقع پر حزب التحریر کا سیمینار

فلسطین - بیت المقدس کے قریب حزب التحریر کی طرف سے لگایا جانے والا پوسٹر جبکہ دوسری طرف حزب التحریر کی یومِ سقوطِ خلافت ریلی میں ہزاروں لوگ شریک ہیں

فلسطین - جلسہ گاہ کا منظر جہاں حزب التحریر نے یومِ سقوطِ خلافت کے حوالے سے جلسہ کیا جبکہ دوسری طرف میڈیا کارنر پر حزب کارکن عالمی میڈیا کو انٹرویو دے رہا ہے

یوکرائن - یومِ سقوطِ خلافت کے موقع پر حزب التحریر کے زیرِ اہتمام کئے گئے سیمینار کا پروقار منظر

انسان کے بنائے ہوئے ہیں اور یہ صرف کفار کے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔ اور کفار یہ بھی چاہتے ہیں کہ کہیں مسلمان خلافت کے قیام کی طرف نہ آجائیں، یہی وجہ تھی کہ 10 اگست 2007 کو وائٹ ہاؤس میں نیوز کانفرنس کے دوران امریکی صدر بش نے پاکستان کے موجودہ نظام کے تحت انتخابات کرانے کی توثیق کی اور اس کے ساتھ ساتھ اِس نظام کو بنیاد سے ہی مکمل طور پر تبدیل کر دینے کے نقطۂ نظر سے خبردار کیا۔ صدر بش نے کہا: ''امریکیوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ مشرف ان لوگوں کے متعلق جو نظام کو یکسر تبدیل کرنے کا نقطۂ نظر رکھتے ہیں (یعنی

لندن خلافت کانفرنس - کانفرنس کے آغاز سے قبل لوگ ہال میں داخلے کے لیے انتظار کر رہے ہیں

لندن خلافت کانفرنس - کانفرنس میں لگایا جانے والا بک سٹال جبکہ دوسری طرف برطانیہ میں حزب التحریر کے ترجمان تاجی مصطفیٰ میڈیا کو انٹرویو دیتے ہوئے

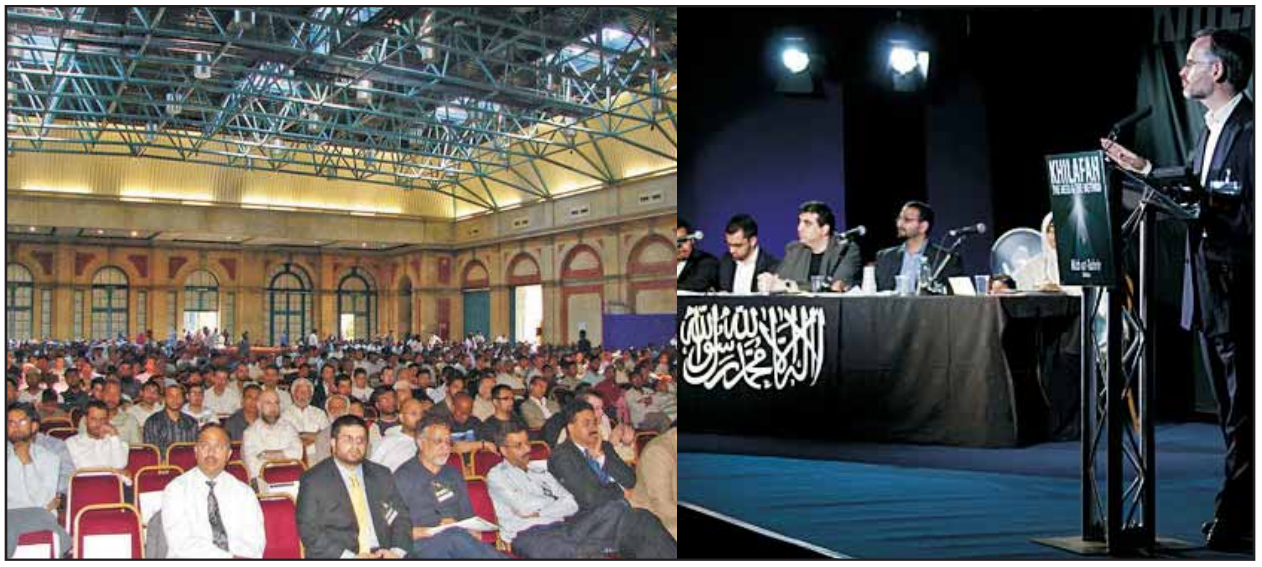

لندن خلافت کانفرنس - کانفرنس سے جمال ہارورڈ خطاب کر رہے ہیں جبکہ سٹیج پر حزب التحریر کے دوسرے رہنما بیٹھے ہوئے ہیں

radicals) اور انتہاء پسندوں کے متعلق اسی طرح فکر مند ہے جیسا کہ میں خود اور امریکی عوام فکر مند ہیں۔ پاکستان کی اندرونی صورتِ حال کے حوالے سے میری توجہ اس امر پر ہے کہ پاکستان کے انتخابات آزادانہ اور صاف شفاف ہوں۔ اور یہ وہ چیز ہے جس کے متعلق میں مشرف سے بات چیت کر رہا ہوں اور مجھے امید ہے کہ ایسا ہی ہوگا...''

اس سال 28 رجب کے موقع پر حزب التحریر نے دنیا بھر میں خلافت کے حوالے سے عالمی رائے عامہ ہموار کرنے کے سلسلہ میں کانفرنس، سیمینارز اور ریلیوں کا اہتمام کیا تا کہ لوگوں کے درمیان خلافت کے نظام کی اہمیت اور فرضیت کو اجاگر کیا جا سکے۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑا پروگرام انڈونیشیا کے شہر جکارتا میں منعقد ہوا۔ اس 'انٹرنیشنل خلافت کانفرنس' میں ایک لاکھ لوگوں نے شرکت کی۔ اس پروگرام کا انڈونیشیا کے سب سے بڑے سٹیڈیم میں انتظام کیا گیا تھا، پورا سٹیڈیم اللہ اکبر کے نعروں سے گونجتا رہا۔ اس کانفرنس میں دنیا بھر سے مقررین مدعو کئے گئے تھے جنہوں نے خلافت کے قیام اور اس کی اہمیت کے حوالے سے تقاریر کیں، لیکن تین اہم مقررین کو کانفرنس میں شرکت نہیں کرنے دیا گیا، ان میں برطانیہ سے ڈاکٹر عمران وحید اور آسٹریلیا سے شیخ اسماعیل کو جکارتا ائیر پورٹ سے ڈی پورٹ کر دیا گیا جبکہ فلسطین سے 'شیخ عصام امیرہ' کو روانہ ہی نہیں ہونے دیا گیا۔ اس کے باوجود کانفرنس کا کامیابی سے انعقاد ہوا اور دنیا بھر کے میڈیا نے اس کی کوریج کی جس میں بی بی سی، سی این این، الجزیرہ اور دوسرے اہم نیوز چینل اور اخبارات شامل تھے۔

اسی سلسلے کا ایک اور پروگرام برطانیہ کے شہر لندن میں ہونے والی کانفرنس کا انعقاد تھا۔ اس میں بھی ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ اس کانفرنس سے حزب التحریر کے اراکین ڈاکٹر عمران وحید، جلال الدین پٹیل اور جمال ہارورڈ نے خطاب کیا۔ جس

بنگلہ دیش - حزب التحریر کے زیرِ اہتمام منعقدہ سیمینار سے بنگلہ دیش میں حزب التحریر کے ترجمان محی الدین خطاب کر رہے ہیں

لاہور - اعوان ٹاؤن میں حزب التحریر کے زیرِ اہتمام یومِ سقوطِ خلافت کے حوالے سے مظاہرہ کیا جا رہا ہے

میں انہوں نے خلافت کے قیام کی ضرورت اور اس کے قیام کے لیے حزب التحریر کے طریقہ کار کو موضوع بنایا۔

پاکستان میں لاہور، کراچی، اسلام آباد اور پشاور میں سیمینارز اور مظاہروں کا اہتمام کیا گیا۔ لاہور میں اعوان ٹاؤن کی جامع مسجد رضوان کے باہر مظاہرہ بھی کیا گیا جبکہ ایک مقامی ہوٹل میں سیمینار کا انعقاد کیا گیا۔ سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان میں حزب التحریر کے ترجمان نوید بٹ نے کہا کہ جمہوریت اور آمریت ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں اور پاکستان کے مسائل کی اصل وجہ یہ انسان کے بنائے ہوئے

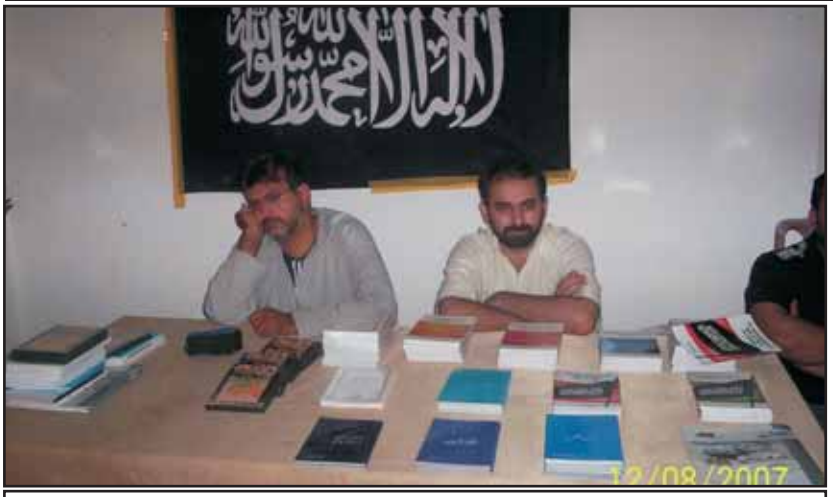

لاہور - سیمینار کے موقع پر حزب التحریر کی کتب پر مشتمل بک سٹال کا منظر

لاہور - یومِ سقوطِ خلافت سیمینار میں حزب کے رکن منظر عزیز خطاب کر رہے ہیں جبکہ سٹیج پر پاکستان میں حزب التحریر کے ترجمان نوید بٹ و دیگر ارکان بیٹھے ہیں

18 جولائی 2007 لاہور - لال مسجد آپریشن کے خلاف حزب التحریر کے ارکان لوہاری گیٹ کے باہر احتجاجی مظاہرہ کر رہے ہیں

نظام ہی ہیں۔ اسلام آباد میں ہونے والے سیمینار سے پاکستان میں حزب التحریر کے ڈپٹی ترجمان عمران یوسف زئی نے خطاب کیا جبکہ کراچی میں پاکستان میں حزب التحریر کے دوسرے ڈپٹی ترجمان شہزاد شیخ نے خطاب کیا، اور یومِ سقوطِ خلافت کے حوالے سے پاکستان کے مسلمانوں کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی۔

فلسطین میں بھی رالمہ اور ویسٹ بینک میں یومِ سقوطِ خلافت کے حوالے سے بڑی بڑی ریلیاں نکالی گئیں جس میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔

سوڈان میں ایک بڑی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں سینکڑوں لوگ شریک تھے۔ کانفرنس سے حزب التحریر کے اراکین نے خطاب کیا اور خلافت کے نظام اور اس کے قیام کے حوالے سے مسلمانوں کی ذمہ داریوں کے حوالے سے بات کی۔

ان کے علاوہ ملائشیا، یمن، کویت، لبنان، بنگلہ دیش، ہالینڈ، ڈنمارک، یوکرائن اور دوسرے کئی ممالک میں یومِ سقوطِ خلافت کے موقع پر سیمینارز اور ریلیوں کا انعقاد کیا گیا، جس میں لوگوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ حزب التحریر دنیا کی واحد جماعت ہے جو ایک ہی امیر کی کمان تلے دنیا کے 40 سے زائد ممالک میں خلافت کے قیام کے لیے متحرک ہے۔

قبل ازیں حزب التحریر ولایہ پاکستان کے زیرِ اہتمام عدلیہ کے بحران کے حوالے سے بھی لاہور، اسلام آباد، کراچی اور پشاور میں سیمینارز کا اہتمام کیا گیا۔ جہاں پر زندگی کے ہر طبقہ سے لوگوں نے بھرپور شرکت کی۔ اسی طرح لاہور میں 26 اگست 2007 کو 'Who are you' کے عنوان سے طلباء کے لیے سیمینار کا اہتمام بھی کیا گیا۔ جس میں طلباء کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے حزب التحریر کے رکن سعد جگرانوی نے کہا کہ ہمارا نظام طلباء کو اس طرح تعلیم دے رہا ہے کہ وہ صرف ملک سے باہر اپنا کیریئر تلاش کرنے میں لگ جاتا ہے انہوں نے کہا کہ اسلام میں

26 اگست 2007 لاہور - حزب التحریر کے زیر اہتمام طلباء سیمینار سے شارق احمد خطاب کر رہے ہیں جبکہ سٹیج پر سعد جگرانوی اور شعیب بیٹھے ہیں

اسلام آباد - عدلیہ کے بحران کے حوالے سے منعقدہ حزب التحریر کے سیمینار سے حزب التحریر کے ارکان خطاب کر رہے ہیں

ایک نوجوان کی حیثیت ایک لیڈر کی سی ہے جس نے دنیا کی رہنمائی کرنا ہوتی ہے۔

اسی طرح لال مسجد پر حکومت کی طرف سے ڈھائے جانے والے ظلم کے خلاف بھی حزب التحریر نے احتجاجی مظاہروں کا اہتمام کیا۔ یہ مظاہرے لاہور، اسلام آباد، کراچی اور پشاور میں کئے گئے۔

پاکستان میں حزب التحریر کی سرگرمیاں روز بروز بڑھ رہی ہیں جس سے لوگوں کے درمیان خلافت کے حوالے سے رائے عامہ ہموار ہو رہی ہے تاہم حزب التحریر اس مقصد کے لیے صرف فکری و سیاسی جدوجہد پر یقین رکھتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود مشرف حکومت حزب التحریر کے خلاف اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر رہی ہے۔ 30 اگست 2007 کو اسلام آباد سے حزب التحریر کے پاکستان میں ڈپٹی ترجمان عمران یوسف زئی کو خفیہ اداروں نے ان کے گھر سے اغواء کرلیا۔ اسی طرح کئی اور ارکان کے گھروں پر چھاپے مارے گئے جن کا مقصد حزب التحریر کے ارکان کو ڈرانا تھا تاکہ وہ خلافت کے کام کو چھوڑ دیں۔ تاہم حزب التحریر کے پاکستان میں ترجمان نوید بٹ نے اپنے ایک اخباری بیان میں کہا کہ حزب التحریر حکومت کے ان اوچھے ہتھکنڈوں سے نہیں ڈرے گی اور نہ ہی حزب التحریر کے خلاف یہ کاروائیاں پاکستان میں خلافت کے قیام کو روک سکتی ہیں۔

حزب التحریر نے حکومت کی ان کاروائیوں کے خلاف بھی کئی مظاہرے کئے۔ لاہور میں فیروز پور روڈ اور اندرون لوہاری میں مظاہرے کئے گئے۔ جن میں حکومت کو یہ باور کرایا گیا کہ حزب التحریر کے ارکان خلافت کے قیام کے لئے مسلسل جدوجہد کرتی رہے گی چاہے اس رستے میں کتنے ہی کانٹے بچھا دیئے جائیں اور ان میں لوگوں سے بھی مطالبہ کیا گیا کہ وہ بھی حکومت کی ان ظالمانہ کاروائیوں کے خلاف آواز اٹھائیں۔

● ● ●

4 ستمبر 2007 لاہور - عمران یوسف زئی کو اغواء کئے جانے کے خلاف حزب التحریر کے ارکان اچھرہ فیروز پور روڈ پر واقع جامع مسجد رسول پورہ کے باہر سراپا احتجاج ہیں

پشاور - یومِ سقوطِ خلافت سیمینار میں حزب التحریر کے رکن لوگوں سے مخاطب ہیں

28 رجب - یومِ سقوطِ خلافت

www.khilafat.pk

رجب المرجب - اسلامی تاریخ کا ایک اہم مہینہ

ذیل میں دیا گیا متن حزب التحریر کے مرکزی امیر عطا ابورَشتہ کی تقریر کا ہے جسے دنیا بھر میں حزب التحریر کے زیرِ اہتمام ہونے والے 28 رجب یومِ سقوطِ خلافت کے حوالے سے منعقد کئے گئے سیمینارز اور کانفرنس میں پڑھا گیا۔ ان کانفرنس اور سیمینارز کی تفصیل اسی شمارے میں الگ سے دی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ و الصلاۃ و السلام علی رسول اللّٰہ و علی آلہ و صحبہ و مِن والاہ

میرے عزیز بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بنی نوعِ انسانیت کو اپنی کئی مخلوقات پر فوقیت عطا کی۔ ارشاد فرمایا: ﴿وَ فَضَّلْنَا هُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ ''اور ہم نے بنی آدم کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی'' (الاسراء: 70) اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو اُس کی عقل اور اس کے افکار کی وجہ سے یہ فضیلت بخشی، تاکہ انسان اُن عظیم واقعات پر غور وفکر کر سکے جو اُس کے اردگرد رونما ہوتے ہیں، خواہ وہ خیر ہوں یا شر۔ اور تاکہ انسان ان سے سبق حاصل کرے اور یہ واقعات اس کے لیے مثال ہوں۔ اگرچہ انسان شر کو دور کرنے اور زیادہ سے زیادہ خیر حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تاہم وہ ان واقعات سے یوں لاتعلق نہیں رہتا کہ گویا اس کا کوئی وجود ہی نہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن میں مخصوص جگہوں اور ادوار کو موضوع بنایا اور ان ادوار اور جگہوں پر رونما ہونے والے بعض واقعات کو یوں بیان کیا ہے کہ وہ یاددہانی کے زیادہ قابل ہو جائیں۔

مثال کے طور پر ظلم حرام ہے اور یہ گناہ کا کام ہے خواہ یہ کسی بھی جگہ کیا جائے، تاہم اگر یہ ظلم بیت الحرام میں کیا جائے تو یہ ایک انتہائی سنگین حرام عمل اور عظیم گناہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج (آیت:25) میں ارشاد فرمایا: ﴿وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ ''اور جو اس مسجد الحرام میں ظلم والحاد کرنا چاہے گا، ہم اسے دردناک عذب کا مزہ چکھائیں گے''۔

اور اگرچہ ظلم حرام ہے اور کسی بھی وقت ظلم ڈھانا گناہ کا کام ہے، تاہم حرمت والے مہینوں میں ظلم کرنا زیادہ شدید حرام اور ایک عظیم گناہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبۃ (آیت: 36) میں ارشاد فرمایا: ﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ ''پس ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم مت ڈھاؤ''۔

چنانچہ وہ واقعات جو حرمت کے مہینے میں رونما ہوں، خواہ وہ خیر ہوں یا شر، اُن واقعات پر غور وفکر کرنے کی اہمیت دیگر مہینوں میں رونما ہونے والے واقعات سے زیادہ ہے۔

آج آپ ایک حرمت والے مہینے میں جمع ہو رہے ہیں جو کہ رجب کا مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کو حرمت والا اور عظمت والا مہینہ بنایا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے بھی اس مہینے کو حرمت والا مہینہ گردانا۔ میں آپ کو اس مہینے میں رونما ہونے والے تین واقعات کی یاددہانی کرانا چاہتا ہوں۔ تاکہ ہم ان واقعات کو یاد کریں، ان پر گہری غور وفکر کریں اور اِن سے سبق حاصل کریں، تاکہ ہم اِس مہینے میں ہونے والے خیر کے واقعات کی پیروی کریں اور اپنی کوششوں میں مزید اضافہ کریں اور اس ماہ رونما ہونے والے شر کے واقعے جیسا کوئی واقعہ دوبارہ رونما ہونے سے روکیں۔ یعنی ہم ان واقعات کو یاد کریں تاکہ ہم ایک موقف اختیار کریں اور جو بھی ضروری ہو اسے کر گزریں، نہ کہ ہم بار بار ان واقعات کو اس طرح دوہراتے رہیں کہ گویا ہم وقت گزاری کے لیے کوئی کہانی پڑھ رہے ہیں، جس کا نہ تو کوئی فائدہ ہو اور نہ ہی ہم اس سے کوئی سبق حاصل کریں۔

وہ پہلا واقعہ کہ جس کی میں آپ کو یاددہانی کرانا چاہتا ہوں، وہ اسراء والمعراج کا واقعہ ہے۔ مستند ترین روایات کے مطابق یہ واقعہ 27 رجب کو پیش آیا۔ یہ واقعہ اُم المومنین خدیجہؓ اور رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کی وفات کے بعد پیش آیا۔ اِن دو وفاتوں کے بعد کفار کی جانب سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نقصان پہنچانے کی کوششوں میں تیزی آ گئی تھی۔ مکہ کے معاشرے نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ اور پھر سموات العلی میں اعلیٰ ترین مقام تک لے جا کر رسول اللہ کو عزت وتکریم عطا کی۔ جہاں رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی تخلیق کردہ عظیم الشان چیزوں کا مشاہدہ کیا۔ پس اسراء و المعراج کے واقعے نے اسلام اور رسول اللہ ﷺ کو مزید قدر ومنزلت عطا کی اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے دل کو تسکین عطا فرمائی۔ یہ ایک نشانی تھی کہ کفر اور اس کے حامی زمین پر سمٹنے والے ہیں اور فتح کا وقت اب نزدیک آ گیا ہے۔

اے میرے بھائیو!

ہمیں یہاں کچھ لمحوں کے لیے توقف کرنا چاہئے اور اُن اہم معاملات پر نظر ڈالنی چاہئے جسے کئی لوگ اسراء والمعراج کے واقعے کو بیان کرتے ہوئے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ معاملہ اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ ہمیں چاہئے کہ ہم رُکیں اور یاد کریں کہ یہ اسراء والمعراج کا واقعہ ایک اور واقعے سے بھی منسلک ہے، جو ہے نصرت کو طلب کرنا۔ جب آپ ﷺ پر کفار کی طرف سے ظلم وستم میں اضافہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے سخاوت کے ساتھ یہ دونوں چیزیں آپ کو عطا کیں: یعنی اسراء والمعراج اور نصرت کی استدعا کو قبول کرنا۔ یوں یہ دونوں معاملات بیعتِ عقبہ اور نصرت وکامیابی حاصل کرنے کی دیگر کوششوں سے منسلک ہیں۔

ہمارے لیے لازم ہے کہ اس وقت کہ جب ہم اسراء والمعراج کو یاد کر رہے ہیں تو ہم اس واقعے سے

سبق حاصل کریں اور اس خیر کے واقعے پر اللہ کی حمد و ثناء کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم اہلِ قوت سے اخلاص اور دیانت داری کے ساتھ نصرت طلب کرنے کے لیے دن رات کام کریں اور اس کے ساتھ ہی ہم پر اعتماد ہیں کہ اس دین کو نئے انصار کے ذریعے فتح و نصرت ملے گی، جیسا کہ سابقہ انصار نے رسول اللہ ﷺ کو نصرت و مدد دی تھی اور انہوں نے ایمان لانے میں سبقت کی تھی۔ اس کے بعد نبوت کے نقشِ قدم پر دوبارہ خلافت قائم ہو گی اور اُس دن مسلمان اللہ کی فتح و نصرت پر خوش ہوں گے۔

وہ دوسرا واقعہ جس کی حرمت کے اس مہینے میں، میں آپ کو یاد دہانی کرانا چاہتا ہوں، وہ 27 رجب 583 ہجری کو بیت المقدس کی آزادی ہے۔

جیسا کہ میں نے سابقہ واقعے کے ضمن میں بیان کیا، اُسی طرح صلیبیوں سے بیت المقدس کی آزادی کے متعلق پڑھتے وقت بھی کئی لوگ اس واقعے سے منسلک اہم معاملات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ایک اہم معاملہ یہ ہے کہ 583 ہجری کو رجب کے مہینے میں بیت المقدس 567 ہجری میں ولایہ مصر کے خلافت کی عملداری میں واپس آنے کے بعد آزاد ہوا تھا۔ مصر کے علاقے کو فاطمیوں نے 359 ہجری میں خلافت سے علیحدہ کر دیا تھا۔ یعنی صلاح الدین اور اس سے قبل نور الدین اس وقت تک فلسطین کو صلیبیوں کے ناپاک تسلط سے آزاد نہیں کرا سکتے تھے جب تک کہ وہ خلافت کی وحدت کو قائم نہ کر لیتے۔ عباسی خلیفہ ناصر کے وقت میں صلاح الدین مصر اور شام کا والی تھا، جب اس دور میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صلاح الدین کی قیادت تلے فتح سے ہمکنار کیا اور مسلمانوں نے مسجد الاقصیٰ کو صلیبیوں کے قبضے سے آزاد کرالیا۔ پھر صلاح الدین نے یہ خوشخبری عباسی خلیفہ کی طرف روانہ کی۔ مسلمانوں نے اس عظیم فتح کی خبر سن کر نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اللہ کی اس نعمت اور عطا پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

القدس اور مسجد الاقصیٰ کی آزادی کے واقعے کا فہم و بصیرت کے ساتھ ادراک کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ جو کوئی بھی مسجد الاقصیٰ سے محبت کرتا ہے اور اس کی آزادی کی تمنا رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ مسلمانوں کو ایک ریاست کی صورت میں وحدت بخشنے کے لیے کام کرے، یعنی خلافت علی منہاجِ نبوت کی صورت میں۔ وہی یہودی ریاست کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گی اور کسی بھی قسم کی دستبرداری، سودے بازی اور یہودی ریاست کے ساتھ کوئی بھی معاہدہ کیے بغیر تمام کے تمام فلسطین کو دار الاسلام میں داخل کرے گی۔ اور اگر مسلمان آج ایسا نہیں کر سکتے تو وہ کم از کم یہودی ریاست کے ساتھ جنگ کی حالت کو برقرار رکھیں، یہاں تک کہ وہ جسے اللہ کی مدد و نصرت حاصل ہو، آ جائے اور اسے آزاد کرائے اور فوزِ عظیم حاصل کرے۔

ماہِ رجب کے اس حرمت والے مہینے میں وہ تیسرا واقعہ کہ جس کی میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں، وہ خلافت کے انہدام کا سانحہ ہے، جب استعماری کفار برطانیہ کی سرکردگی میں، عرب اور ترک غداروں کی مدد سے اسلام اور مسلمانوں کی عزت و وقار کی علامت کو مٹانے میں کامیاب ہو گئے، جب 28 رجب 1342 ہجری بمطابق 3 مارچ 1924 کو خلافت کے خاتمے کا اعلان کیا گیا۔

اس دلسوز سانحے کے بعد مسلمانوں پر کئی مصیبتیں نازل ہوئیں۔ ان کے علاقوں کو 50 سے زائد ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ استعماری کفار نے ہر ٹکڑے پر ایک شخص کو مقرر کر دیا، جسے وہ اس ملک کا حکمران کہتے تھے۔ پھر یہ حکمران ایک دوسرے کے خلاف نفرت کا اظہار کرنے لگے۔ ان حکمرانوں نے امت کی خیر کے ہر معاملے پر عدم اتفاق کیا اور ان کا اتفاق امت کے نقصان پر ہی ہوا۔ ان کی منعقد کردہ کانفرنسیں، ان کے ہاتھوں امت کو پہنچنے والے نقصان کی عکاسی کرتی ہیں۔ ریاض میں منعقد ہونے والی آخری کانفرنس میں انہوں نے فلسطین کے زیادہ تر حصے کو یہودیوں کے ہاتھ بیچ ڈالنے پر گٹھ جوڑ کیا تھا۔

ان حکمرانوں کی رسوائی اس درجے تک پہنچ چکی ہے کہ وہ سیاسی خودکشی کر رہے ہیں تاکہ امریکہ کو عراق کی دلدل سے نکلنے میں مدد دیں، جیسا کہ بغداد کانفرنس اور شرم الشیخ کانفرنس میں ہوا، نہ کہ وہ امریکہ کو اس کے اپنی ہی پھیلائی ہوئی دلدل میں مزید پھنسنے دیں۔ یہ حکمران کتنے مضحکہ خیز طریقے سے حکمرانی کر رہے ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ ان حکمرانوں نے اللہ کے عائد کردہ فرض یعنی خلافت کے قیام کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے اور یوں وہ ہر کسی کے سامنے شرمندہ ہو رہے ہیں اور ہر کسی کے ہاتھوں ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں۔

اے برادرانِ کرام!

آج ہمیں اس فرض کو پورا کرنے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ہمیں اس فرض کو پورا کرنے کا کام کرنا ہو گا۔ اور اس کے ساتھ ہمیں چاہیے کہ ہم پر اعتماد ہوں کہ خلافتِ راشدہ واپس لوٹے گی جیسا کہ اس کا آغاز ہوا تھا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں بیان کیا گیا: ((...ثم تکون خلافة علی منهاج النبوة)) ''... پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت قائم ہو گی''۔ پھر ہمیں بھی عزت و وقار حاصل ہو سکے گا جو کہ سابقہ مومنین کو حاصل ہوا، جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں اور ہم بھی فتح یاب ہوں گے جیسا کہ وہ فتح یاب ہوئے تھے اور ہم اللہ سے اس حال میں ملاقات کر سکیں گے کہ اللہ ہم سے خوش ہو۔ ہماری موت ایسی ہونی چاہیے کہ ہماری گردن میں خلیفہ کی بیعت کا طوق موجود ہو، بجائے یہ کہ ہم جاہلیت (جہالت) کی موت مریں، اگر ہم خلافت کے قیام کے لیے پوری قوت اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ اخلاص کے ساتھ کوشش نہیں کریں گے۔

اے برادرانِ عزیز!

حرمت کے اس مہینے میں ان تین واقعات کا بیان کرنا ہی کافی ہے یعنی:

1) اسراء والمعراج اور نصرت کو حاصل کرنے کے ساتھ اس کا منسلک ہونا۔

2) خلافت کی وحدت کے بعد بیت المقدس کو صلیبیوں کے تسلط سے آزادی۔

3) خلافت کا انہدام اور اس کے دوبارہ قیام کی اخلاص کے ساتھ لازمی کوشش۔

میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اس دعا کے ساتھ اختتام کرتا ہوں کہ آپ کے اس اجتماع سے دانائی پر مبنی رائے حاصل ہو، اور اس اجتماع کا نتیجہ خلوص کے ساتھ کام اور اللہ کی توفیق سے نصرت کے حصول، خیر اور فتح و کامیابی پر ہو۔

و السلام علیکم و رحمة اللّٰه و برکاته

• • •

www.khilafat.pk

شیخ عطا ابنِ خلیل ابورَشتہ

شیخ عطا ابورَشتہ جن کا پورا نام شیخ ابویٰسین عطا ابنِ خلیل ابورَشتہ ہے۔ شیخ 1943 میں فلسطین کے شہر ہیبرون کے نواحی علاقہ 'رعنا' میں پیدا ہوئے۔ آپ اِس وقت 40 سے زائد ممالک میں متحرک اسلامی سیاسی جماعت حزب التحریر کے مرکزی امیر ہیں۔

ابتدائی زندگی اور تعلیم:

چونکہ آپ 1943 میں فلسطین کے شہر ہیبرون میں موجود ایک چھوٹے سے گاؤں رعنا میں ایک اسلامی گھرانے میں پیدا ہوئے تھے اس لیے جب 1948 میں یہودیوں نے فلسطین کی سرزمین پر قبضہ کیا تو آپ نے رعنا کے اندر اسرائیلی بربریت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور اسی بربریت کے سبب آپ کے خاندان کو رعنا چھوڑ کر ہیبرون کے نزدیک ایک مہاجر کیمپ میں منتقل ہونا پڑا۔

آپ نے اپنی پرائمری اور مڈل کی تعلیم اسی مہاجر کیمپ میں مکمل کی۔ جبکہ آپ نے سیکنڈری سرٹیفکیٹ کا امتحان 1960 میں ہیبرون میں موجود الحسین بن علی سکول سے پاس کیا۔ اگلے سال ہی آپ نے جنرل سیکنڈری سرٹیفکیٹ کا امتحان یروشلم میں موجود ابراہیمیہ سکول سے پاس کرلیا۔ اس کے بعد شیخ نے انجینئرنگ کی اعلیٰ تعلیم کے لیے مصر کی قاہرہ یونیورسٹی کے شعبہ انجینئرنگ میں داخلہ لے لیا اور 1966 میں سول انجینئرنگ میں گریجویشن مکمل کرلی۔ گریجویشن مکمل کرنے کے بعد شیخ عطا نے کئی عرب ممالک میں سول انجینئر کی حیثیت سے کام کیا اور اس دوران آپ نے انجینئرنگ سے متعلقہ ایک کتاب بھی لکھی۔

سیاست:

1953 میں حزب التحریر کے قیام کے ابتدائی سالوں میں ہی شیخ عطا اس جماعت سے منسلک ہوگئے۔ اور اس کے بعد آپ تمام عرب ممالک میں حزب التحریر کی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ شیخ عطا کا حزب التحریر کے بانی اور پہلے امیر شیخ تقی الدین النبہانی کے قریبی ساتھیوں میں شمار ہوتا تھا۔ اسی طرح شیخ تقی الدین کے 1977 میں انتقال کے بعد حزب التحریر کے دوسرے امیر شیخ عبدالقدیم زلّوم کے قریبی ساتھیوں میں بھی آپ کا نام شامل رہا۔ 80 کی دہائی کے اندر آپ کا کردار اردن میں حزب کے نمایاں لیڈر کے طور پر رہا اور اسی دوران آپ کو حزب التحریر کی طرف سے جماعت کا پہلا مرکزی ترجمان مقرر کیا گیا۔

خلیج کی جنگ کے دوران شیخ عطا کا کردار اردن میں انتہائی ابھر کر سامنے آیا جب آپ نے ملک بھر کے عوامی مقامات پر پریس کانفرنس، لیکچرز اور مباحثوں کا اہتمام کیا۔ آپ نے کویت پر عراقی چڑھائی کے حوالے سے عمان میں واقع یروشلم مسجد میں ایک لیکچر دیا جس میں آپ کا موضوع 'جزیرہ نما عرب اور خلیج پر نئی صلیبی جارحیت' تھا۔ آپ کا رویہ عرب حکمرانوں کی خیانتوں کے خلاف انتہائی سخت ہوتا تھا جس کی وجہ سے آپ کو متعدد بار اردن کی حکومت کی طرف سے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔

1994 میں اپنے ایک انٹرویو میں شیخ عطا نے کہا کہ ''خلافت کے قیام کی پکار مسلمانوں کے درمیان عام ہوچکی ہے اور وہ اس کے قیام کے نہایت مشتاق ہیں: اسلامی حکومت کے قیام کی پکار مصر، شام، ترکی، پاکستان، الجیریا اور دوسرے اسلامی ملکوں میں ہر سو گونج رہی ہے۔ حزب التحریر کے قیام سے قبل خلافت کا موضوع ناپید تھا، تاہم اب یہ جماعت اپنی فکری قیادت قائم کرنے میں کامیاب ہوچکی ہے اور اب ہر ایک اس کے تصورات پر پُر اعتماد ہے اور اس کے متعلق گفت وشنید کر رہا ہے اس کا مشاہدہ ہم دنیا بھر کے میڈیا میں ہونے والی بحثوں میں دیکھ سکتے ہیں۔''

1995 میں شیخ عطا کو فقط ایک انٹرویو کی اشاعت کے سبب تین سال کی قید بھگتنا پڑی، وہ انٹرویو 'الحیوار' میگزین میں شائع ہوا تھا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ہی ان کو دوبارہ چھے مہینے کے لیے جیل جانا پڑا اور اس بار ان کا قصور فقط ایک ''غیر رجسٹر شدہ جماعت'' کا رکن ہونا تھا۔ اسی وجہ سے 90 کی دہائی میں شیخ عطا کو ایمنسٹی انٹرنیشنل کی طرف سے 'ضمیر کا قیدی' کا خطاب بھی دیا گیا۔

2003 میں حزب التحریر کے دوسرے امیر شیخ عبدالقدیم زلوم کی وفات کے بعد شیخ عطا ابورشتہ 13 اپریل 2003 سے حزب التحریر کے مرکزی امیر کی حیثیت سے پوری دنیا میں حزب التحریر کی قیادت کر رہے ہیں۔ آپ کی قیادت میں ہی حزب التحریر اس وقت دنیا بھر میں متحرک ہے۔ اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لئے مسلمانوں کے اندر ایک فکری اور سیاسی جدوجہد میں حزب التحریر نمایاں کام سرانجام دے رہی ہے۔

کتب:

شیخ عطا ابورَشتہ اسلام کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں۔ حزب التحریر کی قیادت کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ آپ نے علمی کام بھی کیا ہے۔ مندرجہ ذیل کتب آپ کی تحریر کردہ ہیں:

(1) تیسیر فی الاصول التفسیر (سورۃ البقرہ)
(2) اقتصادی بحران: اس کی حقیقت اور اسلام کا اس کے متعلق نقطۂ نظر
(3) تَیسِیرُ الوُصول الی الاصول
(4) جزیرہ نما عرب اور خلیج میں نئی صلیبی جنگ

● ● ●

غلبۂ حق اور قیامِ خلافت سے متعلق علماء کی ذمہ داری

میگزین رپورٹ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ﴾

''اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں''(فاطر:28)

اس آیتِ شریفہ میں اللہ ﷻ نے علماء کی تعریف متعین فرما دی ۔ اس کے علاوہ خود رسول پاک ﷺ نے علماء کی عظمت اور اہمیت بتاتے ہوئے فرمایا:((العلماءُ وَرَثَاءُ الانبیاء)) یعنی''علماء نبیوں کے وارث ہیں'' ہم یہ جانتے ہیں کہ یہ وراثت نبوت کی نہیں ہے کیونکہ نبوت کا سلسلہ تو آپ ﷺ کے بعد ختم ہوگیا، بلکہ یہ وراثت دین کی تبلیغ، منکر کو ختم کرنے اور دینِ حق کو قائم رکھنے کی ہے۔ابونعیم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''اگر علماء و حاکم اچھے ہوں گے تو لوگ بھی اچھے ہوں گے اور اگر حکمراں اور علماء برے ہوں گے تو لوگ بھی برے ہوں گے''۔یعنی جیسے علماء وحکمران ہوں گے ویسے ہی لوگ بھی ہوں گے۔

الدارمی اپنی کتاب المقدمہ میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:''مجھ سے برائی کے بارے میں سوال مت کرو بلکہ اچھائی کے بارے میں پوچھو''۔آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی پھر ارشاد فرمایا:''دنیا میں سب سے بری چیز برے علماء ہیں اور سب سے اچھی چیز اچھے علماء ہیں''

اس وقت جن مسائل کا امت کو سامنا ہے اُن کے تعلق سے مسلمانوں، خصوصاً علماء کی ذمہ داری کیا ہے؟ آج امتِ مسلمہ جن مسائل سے دوچار ہے، اُنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اُن مسائل اور حالات پر غور وفکر کرنا اور ان کے حل کیلئے کوشش کرنا وقت کا اہم تقاضہ ہے؛ مثلاً: حضرت نعمان بن بشیر ؓ کی متفق علیہ روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:''آپسی محبت والفت، مودت و اخوت میں مؤمن کی مثال ایک جسم کی ہے، اگر جسم کے ایک حصہ یا عضو کو تکلیف ہوتی ہے ہے تو پورا جسم بخار اور درد کو محسوس کرتا ہے اور اس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

پچھلے کچھ سالوں ہی میں اگر دیکھیں تو مسلمانوں نے کتنی پریشانیوں کا سامنا کیا ہے اور کتنی مصیبتیں جھیلی ہیں۔ان کو کیا ہم نے محسوس کیا؟ اور کیا ان پریشانیوں سے نجات پانے کیلئے ہم نے کبھی سوچا؟ مسجد میں اپنے خطبوں اور تقریروں میں مسلمانوں کے مسائل اور تکلیفوں پر کیا ہم نے کبھی روشنی ڈالی؟ کیا کبھی ہم نے اس پر غور کیا کہ ان مسائل کا حل کیا ہے؟

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اس وقت امتِ مسلمہ ہر طرح کے مسائل سے گھری ہوئی ہے، چاہے وہ اقتصادی ہوں، یا معاشرتی، تعلیمی ہوں یا تہذیبی اور فوجی ہوں یا سیاسی۔

ہم نے دیکھا سرزمینِ اسراء ومعراج پر کس طرح یہودی مسلط اور قابض ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت کس بری طرح ساری دنیا میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے؛ فلسطین اور چیچنیا اور ابھی حال ہی میں لبنان کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں جہاں ایک بڑی تعداد میں مسلمان مرد، عورتوں اور بچوں کو قتل کیا جا رہا ہے۔ عراق میں خوراک اور دواؤں میں پابندی کی وجہ سے پانچ لاکھ بچے موت کا شکار ہوئے اور ہزاروں بچے یورینیم بم گرائے جانے سے معذور پیدا ہو رہے ہیں۔ بوسنیا میں ساٹھ ہزار مسلمان عورتوں کی عصمت کو پامال کیا گیا۔ چیچنیا کے مسلمانوں پر روسیوں کا ظلم و ستم، صوبہ سنکیانگ میں چینی حکومت کی زیادتیاں، سوڈان میں دارفور کا مسئلہ اور ازبکستان میں داعیانِ اسلام پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ دنیا میں مسلمانوں کے تعلق سے یہ چند مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔

۱۱ ستمبر کے بعد سے اسلام کے خلاف جنگ میں شدّت آ گئی ہے، اس وجہ سے اسلام اور مسلمان ساری دنیا کی توجہ کا مرکز بن گئے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ امریکہ نے کس طرح افغانستان جیسے غریب اور کمزور ملک پر قبضہ کیا جہاں معصوم شہریوں پر ہزاروں بم گرائے گئے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ نئے زمانے کے منگولوں نے عراق پر کس طرح قبضہ کیا ہوا ہے، مسلمانوں کے اس ملک پر ابھی تک اتنے بم گرائے جا چکے ہیں جتنے دونوں عالمی جنگوں میں ملا کر بھی نہیں گرائے گئے تھے۔ ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے بھائیوں کے ساتھ ابو غریب جیل اور گوانتاناموبے میں جانوروں جیسا سلوک کیا جا رہا ہے۔ کس طرح سے ان کو پنجروں میں لٹکایا گیا، نہ تو اُن کو اپنا وکیل کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی ان پر مقدمہ چلایا جا رہا ہے۔ برطانوی رسالے Lancet کے مطابق عراق میں امریکی قبضے کے بعد سے اب تک ایک لاکھ لوگ مارے جا چکے ہیں۔

بابری مسجد کی شہادت پر ہم نے کس طرح احتجاج کیا تھا، آپ کو معلوم ہے عراق میں امریکہ اور برطانیہ کتنی مسجدیں شہید کر چکے ہیں؟ صرف شہر فلوجہ میں وہاں کی آدھی مسجدوں کو شہید کر دیا گیا ہے۔

ہمیں ایک لمحہ کیلئے بھی یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ یہ مسائل ہمارے نہیں ہیں کیونکہ ہم تو برصغیر میں بیٹھے ہیں اور یہ مسائل تو افغانستان، عراق اور لبنان کے ہیں، ہمارا ان سے کیا تعلق؟ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو آپس میں بھائی بتایا ہے: ﴿اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ﴾ ''(یاد رکھو) سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں''(الحجرات:28) اور حضور ﷺ نے فرمایا: ((اَلۡمُسۡلِمُوۡنَ اُمَّةٌ وَاحِدَةٌ، بلا دهم واحدة و حَرۡبُهُمۡ واحِدَة)) '' مسلمان ایک امت ہیں، اُن

کا ملک ایک ہے اور اُن کی جنگ بھی ایک ہے''

اس وقت ہم اپنے آپ سے یہ سوال کریں کہ کتنی مرتبہ ہم نے ان مسائل پر لوگوں سے گفتگو کی ہے، اپنے خطبوں اور بیانوں میں کتنی بار اس کا ذکر کیا ہے؟ اور کیا ان مسائل کے اصل حل کی طرف ہم نے کبھی توجہ دی؟

اگر خدانخواستہ کعبۃ اللہ پر کوئی حملہ کرتا ہے تو یقیناً ہم میں سے ہر ایک بے چین ہو جائے گا، ہماری راتوں کی نیند اُڑ جائے گی، لوگوں سے گفتگو میں صرف یہی موضوع رہے گا اور ہم کعبۃ اللہ کی حفاظت کیلئے تمام ممکنہ کوششیں کریں گے۔ لیکن کیا آپ کو معلوم ہے کہ اللہ ﷻ کے نزدیک کعبے کے مقابلے میں مسلمان کے خون کی قیمت کیا ہے؟ ابن ماجہ کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ جب آپ ﷺ کعبۃ اللہ کا طواف کر رہے تھے، اس موقع پر آپ ﷺ نے کعبے کی طرف دیکھ کر فرمایا تھا: ((مَا اَعْظَمَكِ، وَمَا اَشْرَفَكِ، وَمَا اَجْمَلَكِ)) کتنا عظیم ہے تو، کتنا مقدس ہے تو، اور کتنا خوبصورت ہے تو''۔ اور پھر فرمایا'' مگر اللہ تعالیٰ کی نظر میں ایک مسلمان کا خون تیرے آس پاس کی چیزوں سے زیادہ قیمتی ہے''

اگر مسلمان کا خون اتنا قیمتی ہے تو یقیناً ہمیں اس کے تحفظ کیلئے ہر ممکنہ کوشش کرنا چاہئے۔ ساری دنیا کے مسلمان ان مسائل کے بارے میں تکلیف محسوس کر رہے ہیں اور ان کے درمیان گفتگو کا موضوع یہی ہے۔

دنیا میں ہر جگہ مسلمان آج علماء کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ وہ ان کو ان تمام مسائل اور پریشانیوں سے نجات دلائیں گے اور امت کی صحیح راستے کی طرف راہنمائی کریں گے۔ اس لئے علماء کے کندھوں پر یہ بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ ان مسائل کی طرف توجہ دیں۔ اس سے قبل کہ ہم ان مسائل کے حل اسلامی شواہد و دلائل کی روشنی میں تلاش کریں، یہ ضروری ہے کہ کچھ بنیادی نکات کو پیشِ نظر رکھا جائے۔

(1) بحیثیت مسلمان یہ بات ہمارے ذہنوں میں بالکل واضح ہونا چاہئے کہ اپنے ہر انفرادی اور اجتماعی عمل سے پہلے اور ہر مسئلے کے حل کیلئے ہمارے پاس کوئی شرعی دلیل ہونا چاہئے، نیز یہ کہ قرآن، سنت، اجماعِ صحابہ اور قیاس پر مبنی دلیل ہی شرعی دلیل تسلیم کی جاسکتی ہے۔ صرف ان ذرائع سے مستنبط حکم ہی ہمارے لئے قابلِ تسلیم ہے، نہ تو بڑے سے بڑے کسی قابل آدمی کی کوئی تحریر، پارلیمنٹ سے پاس کیا ہوا کوئی قانون، کسی صدر یا بادشاہ کی کہی ہوئی کوئی بات اور نہ ہی ہمارے جذبات و خواہشات یا اپنی مرضی و مفاد پر مبنی کوئی قانون۔ یہ کسی شخص کی ذاتی رائے نہیں، بلکہ جب ہم اقرار کرتے ہیں لا اِلٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو یہ ہمارے ایمان کا جز بن جاتا ہے۔ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِيْنَ﴾ ''حکم کسی کا نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے۔ اللہ تعالیٰ حق بات بتلا دیتا ہے اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا وہی ہے'' (المائدۃ:57)

(2) یہ بات ہم کو تسلیم کرنا چاہئے کہ ہماری تمام وفاداریاں صرف حق یعنی اللہ کے دین سے وابستہ ہونی چاہئیں، نہ کہ کسی مخصوص گروہ، جماعت، تنظیم، پیر، امیر، عالم، بزرگ، خاندان، برادری یا کسی ادارے اور حکومت سے۔ متعدد احادیث میں رسول اکرم ﷺ نے اسی زمانے کے بارے میں تنبیہ فرمائی ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ اللہ ﷻ تمہیں ایک بار علم دینے کے بعد اس سے محروم نہیں کرے گا لیکن ایک عالم کی موت سے علم اُٹھا لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد جاہل رہ جائیں گے جو اپنی مرضی سے فتوے جاری کریں گے، دوسروں کو گمراہ کریں گے اور خود بھی بھٹکیں گے۔ یعنی وہ خود اپنی ذاتی رائے سے فتوے دیں گے جو شرعی دلائل سے اخذ کئے ہوئے نہ ہوں گے۔ ہمیں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم یاد رکھنا چاہئے: ﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوْا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ ''اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور نہ حق کو چھپاؤ تمہیں تو خود اس کا علم ہے'' (البقرۃ:42) علامہ سیوطیؒ نے حسن حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم دیکھو کہ کوئی عالم حکمرانوں سے زیادہ گھل مل رہا ہے تو جان لو کہ وہ چور ہے''۔ یہ بات تو مسلم حکمرانوں کے تعلق سے فرمائی گئی، اب جو اہلِ علم غیر مسلم حاکموں سے اپنی قرابت پر فخر کریں اور اُن کے غیر اسلامی افکار کو مسلمانوں میں عام کریں تو یقیناً علماء صالحین کو اُن سے اپنی بے زاری کا اظہار کرنا چاہئے تاکہ ایسے لوگ عوام میں کوئی وقعت نہ پائیں۔

ترمذی شریف میں حاکم ابن عمیر ؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''مجھ سے برائی کے بابت نہ پوچھو بلکہ اچھائی کے بارے دریافت کرو''، یہ بات آپ ﷺ نے تین بار فرمائی اور پھر ارشاد ہو'' تم میں بدترین مخلوق برے علماء ہیں اور بہترین مخلوق اچھے علماء ہیں''

آخر ہمارے مسائل کا حل کیا ہے؟

ہمارے مسائل کے حل معلوم کرنے کیلئے ہمیں سب سے پہلے صحیح طریقہ سے مسئلہ کی حقیقت کو سمجھنا چاہئے۔ ہم ان مسائل کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کر سکتے، یہ تمام مسائل بنیادی طور پر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان کی جڑ ایک ہی ہے، جس طرح کینسر کی علامت کا تعلق اس کی جڑ سے ہوتا ہے یعنی جس جگہ کینسر پنپ رہا ہوتا ہے۔ آج ہمارے مسائل کی جڑ یا کینسر ایک اسلامی ریاست کا نہ ہونا ہے۔ ایک ایسا نظام جس کے ذریعہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کا نفاذ ہوتا ہے۔ اس ریاست کو اللہ کے رسول ﷺ نے خلافت کے نام سے موسوم کیا ہے اور جس کو اور دوسرے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے مثلاً سلطنت، امارت یا دولتِ اسلامیہ، آج ایسی کسی ریاست کا دنیا میں وجود نہیں ہے۔ آج مسلم ممالک کے تمام ہی حکمران بے ایمان اور کافروں کے ایجنٹ ہیں۔

خلیفہ دنیا کے تمام مسلمانوں کی لیڈرشپ کا نام ہے، یہ ایک دنیاوی لیڈرشپ ہوتی ہے جو اسلامی شریعت کو نافذ کرتی ہے اور جس کا کام اسلام کو ساری دنیا میں پھیلانا ہوتا ہے۔ خلیفہ مسلمانوں کا امیر ہوتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے جانشین کی حیثیت سے اسلام کو نافذ کرتا ہے۔ رسول ﷺ کے برعکس خلیفہ کا تقرر اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے پاس لوگوں کیلئے اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے، بلکہ خلیفہ کا

انتخاب اور تقرر خود مسلمان کرتے ہیں تا کہ وہ ان کے نمائندے کی حیثیت سے ریاست کے اندر یعنی دار الاسلام میں اسلام کو نافذ کرے اور ریاست کے باہر اس کی دعوت دے۔

مشہور عالم دین علامہ الماوردیؒ اپنی کتاب احکام السلطانیۃ میں اسلامی ریاست کی تعریف اس طرح کرتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد یہ دین کی حفاظت اور دنیاوی معاملات یا سیاست کی نگہداشت کرتی ہے'' دیگر علماء نے بھی اس کی یہی تعریف کی ہے۔ امام احمد ابن حنبلؒ کی مسند میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام کی گرہیں ایک کے بعد ایک کھلتی چلی جائیں گی۔ سب سے پہلے کتاب اللہ کے مطابق حکومت کی گرہ کھلے گی اور سب سے آخر میں نماز کی گرہ''

ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بذاتِ خود مدینہ منورہ میں اسلامی حکومت کی گرہ باندھی تھی۔ اس اسلامی حکومت کی بنیاد رسول اللہ ﷺ نے رکھی اور یہ ایک ہزار تین سو سال تک قائم رہی۔ آپ ﷺ کے بعد مسلمانوں کی طرف سے حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو بیعت دی گئی، اس کے بعد حضرت عمر فاروق ؓ کو، اس کے بعد حضرت عثمان ابن عفان ؓ کو اور اس کے بعد حضرت علی ابن ابی طالب ؓ کو اور ان کے بعد حضرت حسن ابن علی ؓ کو، اور یہ سلسلہ سلطان عبدالمجید یعنی ۱۹۲۴ء تک جاری رہا۔ ان میں سے بہت سے خلفاء سے ہم واقف ہیں جیسے حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ، سلطان محمد الفاتح، سلیمان القانونی، سلطان عبدالحمید ثانی اور سلطان مراد۔ کچھ خلفاء بہت اچھے بھی رہے اور کچھ کی طرف سے زیادتیاں بھی ہوئیں، لیکن اس سارے عرصے میں اسلام کا نفاذ جاری وساری رہا۔

اگرچہ کچھ خلفاء نے اسلام کی غلط تاویلیں بھی کیں اور بعض نے ظلم بھی کئے، لیکن خود رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں کی پیشن گوئی کی تھی کہ لوگ ایسے خلفاء کو بھی قبول کریں اور جب تک وہ کفر بواح کے مرتکب نہ ہوں اُن کی اتباع کرتے رہیں۔ تمام ہی علماء اہل سنت نے تسلیم کیا ہے کہ خلفاء راشدین، بنی امیہ، بنو عباس، اور عثمانی دور تک خلافت کا سلسلہ جاری رہا۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد یہ خلافت کفر کی سازش کے تحت ختم کر دی گئی۔

یہ تمام خلفاء شریعتِ اسلامی کے مطابق ہی حکومت کرتے رہے اور کبھی بھی انہوں نے کفر بواح کا نفاذ نہیں کیا۔ اسی لئے ہمیں معلوم ہے کہ اسلام کے عظیم المرتبت علماء مثلاً حضرت امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ امام احمد ابن حنبلؒ امام جعفر الصادقؒ نے ان کو خلیفہ تسلیم کیا ہے اور ضرورت پڑنے پر خلیفہ کا احتساب بھی کیا ہے۔ درحقیقت امام ابو حنیفہؒ کے دو مشہور شاگرد، جنہوں نے فقہ حنفی کی تدوین کی اور جس فقہ کا مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت برصغیر میں اتباع کرتی ہے۔ ان خلفاء کے دور میں قاضی ابو یوسف اور محمد الشیبانی نے قاضی القضاۃ کی حیثیت سے خدمات انجام دی ہیں۔

اگرچہ آج برصغیر میں ہم میں سے بہت سے لوگ اور کچھ علماء تک خلافت کا مفہوم ہی بھول گئے ہیں، ایک وہ وقت تھا جب برصغیر کے علماء اور مسلمانوں نے خلافت کی حمایت میں زبردست تحریک چلائی تھی اور خلافتِ عثمانیہ کو ختم کئے جانے کے خلاف بہت زیادہ احتجاج کیا تھا۔ مولانا محمد علی جوہر نے خلافت کے بارے میں کہا تھا: ''ترکی کا حکمران خلیفہ، رسول اللہ ﷺ کا جانشین اور مسلمانوں کا امیر تھا، ہمارے دین میں خلافت اتنی ہی ضروری ہے جتنی قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی سنت''۔ (My Life- a fragment- by M.A .Johar page 4.) مولانا ابوالکلام آزادؒ نے 1920ء میں مسئلہ خلافت کے نام سے ایک کتاب تحریر کی تھی جس میں وہ بیان کرتے ہیں: ''خلافت کے بغیر اسلام کا وجود ممکن نہیں ہے، مسلمانانِ ہند کو اپنی تمام تر کوششیں اور توانائیاں خلافت کے قیام کیلئے لگا دینا چاہئیں''۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن جو دار العلوم دیوبند کے مہتمم اعلیٰ تھے اور جنہیں انگریزوں نے تین سال تک مالٹا میں قید رکھا صرف اس لئے کہ حضرت شیخ الہندؒ نے حق سے روگردانی نہیں کی اور خلافتِ عثمانیہ کی مخالفت میں فتویٰ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ کا ایک فتویٰ جو 29 اکتوبر 1920 کو شائع ہوا تھا، اس میں فرماتے ہیں: ''خلیفۃ المسلمین، یعنی مسلمانوں کا خلیفہ جو پوری امت کو متحد کرنے کا واحد ذریعہ ہے وہ اللہ کے نائب کی حیثیت سے زمین پر اسلام کے آفاقی قوانین کو نافذ کرتا ہے، جو اللہ کی شان اور کلمہ کو بلند رکھنے کا ذمہ دار ہوتا ہے، جو مسلمانوں کے حقوق ومفادات کا تحفظ کرتا ہے، وہ خود دشمنوں سے گھر گیا ہے اور بہت زیادہ دباؤ میں ہے''

صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((اِنَّمَا الاِمَام جُنَّۃ یُقَاتَلُ مِن وَرَائِہٖ ویُتَّقٰی بہٖ)) ''بے شک امام ایک ڈھال ہے جس کے پیچھے ہم لڑتے ہیں اور جو ہماری حفاظت کرتا ہے'' خلافت ایک ایسا طریقہ یا میکانزم ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے تحفظ اور ہمارے مسائل کو حل کرنے کیلئے نازل فرمایا ہے۔

خلافت کا ہونا، اللہ تعالیٰ کی شریعت کو نافذ کرنے اور ہمارے مسائل کو حل کرنے کیلئے فرض ہے۔ قرآن مجید، سنتِ رسول اللہ ﷺ اور اجماعِ صحابہ سے یہ قطعی دلائل سے ثابت ہے اور تاریخ اسلام میں تمام علماء اس پر متفق رہے ہیں۔ اب آپ کے سامنے چند شواہد پیش ہیں۔

قرآن مجید سے اس کا ثبوت: حکومت سے متعلق متعدد آیات ہیں: ﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ﴾ ''آپ ان کے معاملات میں خدا کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی حکم کیا کیجئے، اُن کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجئے اور ان سے ہوشیار رہئے'' (المائدۃ:49) اللہ تعالیٰ کا کسی بات پر اپنے رسول سے خطاب اس کی امت سے بھی خطاب ہوتا ہے، جب تک کہ اس خطاب کے صرف رسول اللہ ﷺ تک محدود کرنے کی کوئی دلیل نہ ہو، یہاں ایسی کوئی تخصیص کی دلیل نہیں ہے جو اس آیت کے خطاب کو رسول اللہ ﷺ تک مخصوص کرتی ہو، اس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرنے کیلئے یہ اللہ ﷻ کا مسلمانوں کو حکم ہے۔ خلیفہ کے تقرر کا مطلب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ اللہ کا حکم اور اس کا اقتدار قائم ہو۔ جہاں

تک اقتدار کا سوال ہے تو یہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فرض قرار دیا ہے کہ وہ اس کی اتباع کریں، یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حاکم کی موجودگی فرض ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یٰاَیُّھَا الذِینَ آمَنُوا اَطِیعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اُن کی جو تم میں صاحبِ امر ہیں'' (النساء:59)

﴿وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْکَافِرُوْنَ﴾

''اور جو شخص اللہ تعالےٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نا کرے تو ایسے لوگ بالکل کافر ہیں''

(المائدہ:44)

اس کے علاوہ متعدد آیات میں نماز کو قائم کرنے اور حدود کو نافذ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے۔ ان احکام کے نفاذ کیلئے ایک نظام ضروری ہے اور جس کے بغیر اسلام ادھورا ہو جاتا ہے اور اس کی غیر موجودگی میں ہم سب گنہگار ہو رہے ہیں۔ امام طحاوی، مسلم بن یاسر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زکوٰۃ کی وصولی، حدود کا نفاذ، مالِ غنیمت کی تقسیم اور جمعہ کو قائم کرنا سلطان کی ذمہ داری ہے''

اس طرح خلافت کے قیام کا فرض ایسا فرض ہے جس پر دوسرے فرائض کا انحصار ہے جیسے حدود، زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم وغیرہ۔ نیز کفر کا خاتمہ بھی خلافت کے قیام کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اسلام کے قیام کے معنے ہی دراصل خلافت کے قیام کے ہیں کیونکہ یہ اسلام کے نفاذ کا واحد طریقہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خلافت کے بغیر معاشرے میں دین کا وجود ممکن نہیں ہے۔ اس طرح پورا اسلام خلافت پر منحصر ہے کیونکہ یہی وہ طریقہ ہے جو اسلام نے ہمیں بتایا ہے۔ امتِ مسلمہ کی موجودہ حالت اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ ہمارے ہاں شرعی قوانین کی جگہ مغربی قوانین نے لے لی ہے اور آج امتِ مسلمہ کی پوری دولت کفار کے درمیان مالِ غنیمت کے طور پر تقسیم ہو رہی ہے۔

مسلمانوں کے پاس ایک بڑی فوجی طاقت ہونے کے باوجود مسلم ممالک پر کفار قبضہ جمائے ہوئے ہیں۔ اسلامی نظامِ زندگی نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے ملکوں کا معاشرہ غیر اسلامی ہوگیا ہے۔ القدس کی مقدس سرزمین پر شراب خانے اور نائٹ کلب چل رہے ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے بڑے بڑے شہروں اور اسلامی دنیا کے صدر مقاموں میں یہی حال ہے۔ ان روشن حقائق سے ہمارے معاشرے کا غیر اسلامی وجود اور اسلام کی عدم موجودگی کی شکل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیانوں کی سچائی عیاں ہو رہی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ان لوگوں کی حفاظت کریں جن پر دینِ اسلام کی وجہ سے حملہ کیا گیا ہے۔ اس طرح جب عراق، افغانستان، فلسطین اور لبنان پر حملہ ہوتا ہے اور ہم ان کے تحفظ کیلئے اس نظام کے قیام کی کوشش نہیں کرتے تو ہم اللہ تعالیٰ کی نظر میں گنہگار ہوں گے۔

سنتِ رسول ﷺ سے اس کا ثبوت: مسلمانوں کے اوپر خلیفہ کا ہونا فرضِ عین ہے۔ ہر مسلمان کی گردن پر خلیفہ کی بیعت کا طوق ہونا فرض ہے۔ اس سلسلے میں متعین طور پر کچھ احادیث ہیں، مثلاً: مسلم شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی بھی مسلمان اس حالت میں مرا کہ اس کی گردن پر خلیفہ کی بیعت کا طوق نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا'' اس حدیث میں گردن پر بیعت کا طوق ہونے کا مطلب ایک دوسری حدیث سے بالکل واضح ہو جاتا ہے جسے طبرانی میں حضرت ابونعیم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو بھی امام کے بغیر مرا تو وہ جاہلیت کی موت مرا''۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ اس فرض کی اہمیت حیاتِ مبارکہ سے زیادہ ہے۔ مشرکینِ مکہ کی ایک سیکولر پیشکش کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا: ''واللہ اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں تو بھی میں اس کام سے باز آنے والا نہیں، یہاں تک کہ یا تو اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب کر دے یا اس جدوجہد میں میری جان چلی جائے''

اجماعِ صحابہ سے اس کا ثبوت: رسول پاک ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کو تین دن اور دورات تک دفنایا نہیں گیا، اس تاخیر کے بارے میں امام حاتمیؒ فرماتے ہیں: ''اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد امام کا انتخاب مسلمانوں پر فرض تھا۔ اسی لئے دوسرے تمام فرائض اور خود حضور پاک ﷺ کی تدفین کو مؤخر کر کے پہلے امیر کا انتخاب کیا گیا''

جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ زخمی ہونے کے بعد بسترِ مرگ پر تھے اور اُنہیں یقین ہوگیا تھا کہ وہ اب نہیں بچیں گے تو اُنہوں نے صحابہ کرام سے کہا کہ تمہارے درمیان یہ چھ لوگ ہیں جن کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ لوگ جنتی ہیں، یعنی حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف، حضرت سعد ابن ابی وقاص، حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے کسی ایک کو اپنا امیر منتخب کر لو۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی اُن کے ساتھ رہیں گے لیکن وہ صرف مشورے کی حد تک شامل رہیں گے۔ پھر ان لوگوں سے تفصیلی گفتگو کے بعد فرمایا: ''میرے بعد اس کام کیلئے تمہارے پاس تین دن کی مہلت ہوگی اور اس دوران حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نماز کی امامت کریں گے اور چوتھا دن آنے سے پہلے اپنے اوپر اپنا امیر مقرر کر لینا۔ حضرت ابوطلحہ الانصاری رضی اللہ عنہ کو ان حضرات کی حفاظت اور ان کی مدد کرنے کیلئے مقرر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے ابوطلحہ، اللہ تعالیٰ نے تم انصار کے ذریعہ اسلام کی مدد فرمائی ہے، تم انصار میں سے پچاس آدمیوں کو لے کر ان چھ آدمیوں کی نگرانی کرنا اور ان پر زور ڈالنا کہ یہ اپنے میں سے ایک کو اپنا امیر مقرر کر لیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے المقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کو جگہ کا انتخاب کرنے اور ان لوگوں کو وہاں جمع کرنے کی ذمہ داری دی اور اُن سے فرمایا: ''مجھے دفنانے کے بعد ان چھ لوگوں کو ایک گھر میں بند کر دینا اور جب تک یہ اپنے میں سے کسی ایک کو اپنا امیر مقرر نہ کر لیں اُنہیں باہر

مت آنے دینا'' پھر حضرت صہیب ؓ سے اس میٹنگ پر نظر رکھنے کو کہا اور فرمایا: ''تین دن تک نماز میں تم لوگوں کی امامت کرنا اور ان چھ لوگوں کی نگرانی کیلئے ان کے سر پر سوار رہنا اور عبداللہ ابن عمر کو صرف مشورے کی حد تک شامل رکھنا۔ اگر پانچ لوگ ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور ایک شخص اس سے اختلاف کرے تو اس کا سر تلوار سے قلم کر دینا؛ اگر چار لوگ ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور دو لوگ اس سے اختلاف کریں تو ان دونوں کا سر قلم کر دینا۔ اگر تین تین لوگوں کی رائے آپس میں بٹ جائے تو ایسی حالت میں عبداللہ ابن عمر سے فیصلہ کرانا، اب جس فریق کو عبداللہ ابن عمر منتخب کر لیں ان میں سے ایک کو اپنا امیر بنا لینا، اگر یہ لوگ عبداللہ ابن عمر کی رائے قبول کرنے سے انکار کر دیں تو اُس فریق کا ساتھ دینا جس میں حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف ؓ شامل ہوں۔ اب جو اس فیصلے سے انکار کرے اسے قتل کر دو'' یہ تمام اصولی اور تفصیلی ہدایات دینے کے بعد فرمایا: ''اب اس بات کو میری وفات تک اُٹھا رکھو''۔

امام نوویؒ شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں: ''علماء کا اس پر اجماع ہے کہ یہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے لئے خلیفہ کا انتخاب کریں''۔ (حوالہ شرح صحیح مسلم: امام نوویؒ جلد ۱۲ صفحہ ۲۰۵) تمام صحابہ ؓ کا اس پر اجماع ہے اور اس کام کیلئے مہلت یا مدّت تین دن اور تین راتوں کی ہے، اس دوران یہ کام ہو جانا چاہئے۔ آپ ذرا سوچئے آج خلافت ختم ہوئے 80 سال سے زائد مدت گزر چکی ہے اور ہمیں اس کا احساس تک نہیں ہے۔ ہم سب گنہگار رہیں گے جب تک خلافت قائم نہ ہو جائے۔

ماضی کے علماء کی طرح آج کے علماء کو بھی اپنی تمام تر صلاحیتیں اور اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے اس کام کیلئے اُٹھ کھڑا ہونا چاہئے اور اس سلسلے میں رائے عامہ ہموار کرنا چاہئے۔ علماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کے اندر اسلام کا صحیح فہم اور شعور پیدا کریں اور انہیں بتائیں کہ اسلام ایک مکمل عقیدہ اور نظام ہے جس میں انسانوں کے تمام مسائل کا حل موجود ہے، اور یہ اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ اس کا تمام انسانوں پر نفاذ کیا جائے۔

اس وقت کفار خصوصاً امریکہ اور مغربی ممالک مسلمانوں پر اپنی تہذیب تھوپ رہے ہیں اور دین کو دنیا سے علیحدہ کرنے کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ وہ اسلام میں اپنی مرضی کے مطابق اصلاح و ترمیم کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ وہ اپنا پسندیدہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دے رہے ہیں اور اس کام کیلئے وہ اپنے ایجنٹ، پیسہ اور طاقت کے ذریعہ ہر جگہ اپنے فاسد افکار اور عقائد پھیلا رہے ہیں۔

علماء کا فرض ہے کہ وہ ان کا جواب دیں اور اسلام کے دفاع کیلئے میدان میں آ جائیں اور کافرانہ اور فاسد افکار جیسے جمہوریت، سیکیولرزم، آزادی، قوم پرستی یا نیشنلزم، سوشیلزم وغیرہ لات، منات، اور عزیٰ کی بجائے جدید زمانے کے بت بن گئے ہیں اور ان کی پرستش کی جا رہی ہے۔ ہم اس منکر کے مقابلے میں کیسے خاموش رہ سکتے ہیں؟ امت کے سامنے جو مسائل ہیں ہم ان کا حل کیوں نہیں بتاتے؟ اپنے خطبوں میں ان کافرانہ عقائد کی نفی کیوں نہیں کرتے؟

ہمیں ایسے علماء سے ہوشیار رہنا چاہئے جو دنیا کی حقیر چیزوں کے عوض اپنے دین کو ہی بیچ رہے ہیں، جو حق کہنے سے ڈرتے ہیں اور ان لوگوں کے خلاف جو اسلام کے نام پر یہ باطلانہ افکار امت کے اندر پھیلا رہے ہیں۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کو وارننگ سمجھ کر اس سے عبرت حاصل کرنا چاہئے: طبرانی میں حضرت عوف ابن مالک الاشجعی ؓ سے روایت ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت قریب ستّر فرقوں میں بٹ جائے گی اور ان میں سب سے بڑی آزمائش ان کی ہوگی جو اپنی عقل اور رائے سے فتوے دیں گے جن میں وہ اللہ تعالیٰ کے حرام کئے ہوئے کو حلال اور حلال کو حرام کہیں گے''

بدقسمتی سے آج ہم یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جمہوریت اور قوم پرستی کو جائز قرار دیا جا رہا ہے اور اس کی سرِ عام وکالت کی جا رہی ہے۔ سعودی عرب کے کچھ علماء نے حجاز کی مقدس سرزمین پر امریکن کفار کی موجودگی کو جائز ٹھہرایا ہے تاکہ وہ عراق کے مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں! جامع الازہر کے شیخ نے سود کو جائز قرار دے دیا ہے! ہمیں ماضی کے ان علماء کی مثالیں پیش نظر رکھنی چاہئیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتے تھے۔

مثال کے طور پر حدیث کے استاذ، مکہ کے مجتہد امام احمد ابن حنبلؒ جن کے نام سے حنبلی مسلک منسوب ہے، ان کے زمانے میں خلیفہ مامون نے معتزلہ کا یہ عقیدہ اختیار کر لیا کہ قرآن مخلوق ہے اور مامون نے یہ عقیدہ عوام پر تھوپنا چاہا جس سے عوام میں بے چینی پیدا ہوئی اور یہ علماء ہی تھے جن کے ہاتھ میں عوام کی لیڈرشپ تھی جن میں امام موصوف بھی شامل تھے اور جنہوں نے اس عقیدے کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ان کے چچا نے امامؒ سے کہا کہ تم صرف زبان سے اقرار کر لو اور دل سے مت مانو، اس طرح تم پر ظلم نہیں توڑا جائے گا۔ چچا کے اس پُر شفقت مشورے پر امام احمدؒ نے فرمایا: ''اگر ایک عالم ہی باطل کے سامنے خاموش رہتا ہے تو پھر حق کس طرح ظاہر ہوگا؟'' امام صاحب نے عقیدہ کے معاملہ میں مفاہمت اور کمپرومائز کرنے کے مقابلہ میں جیل جانا اور کوڑوں کی مار برداشت کرنا پسند فرمایا۔ وہ اس کیلئے ہر سزا بھگتنے کو تیار رہے جس طرح حضرت یوسف ؑ نے ایک فتنے کے مقابلہ میں جیل جانا پسند کیا تھا۔ امام احمد اس حدیث کو صحیح سمجھتے تھے جس کو علامہ سیوطیؒ نے بھی صحیح بتایا ہے: ''جس نے سلطان کو خوش کرنے کیلئے کوئی ایسا کام کیا جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے تو اس نے اللہ کے دین کو چھوڑ دیا''!

مسندِ احمد میں حضرت ابوسعید الخدری ؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کا خوف کسی کو حق بات کہنے سے نہ روکے جبکہ وہ اُس بات کا شاہد ہو، کیونکہ حق کہنے سے نہ تو موت قریب آتی ہے اور نہ ہی رزق دور ہوتا ہے''

ہمیں امام اہل الرائے، کوفہ کے مجتہد فقیہ اور حنفی مسلک کے بانی حضرت امام ابوحنیفہؒ کی مثال یاد رکھنا چاہئے۔ حضرت امام اعظمؒ شریعت کے ماہر تسلیم کئے جاتے تھے، ایک مرتبہ خلیفہ منصور کے دربار میں آپ کو طلب کیا گیا اور ان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ قاضی

القضاۃ یا چیف جسٹس کا عہدہ قبول کر لیں۔ آپ نے انکار کر دیا کیونکہ آپ اُس خلیفہ کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے جواب دیا: ''میں اس عہدے کے لائق نہیں ہوں''۔ خلیفہ منصور اس پر بہت ناراض ہوا، اُن پر چلایا اور کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، تم اس کے اہل ہو۔ اس پر امام اعظمؒ نے جواب دیا: ''فیصلہ تو آپ نے خود کر دیا، اگر میں واقعی جھوٹ بول رہا ہوں تو میں اس کا اہل نہیں ہوں اور اگر میں سچ کہہ رہا ہوں تو میں آپ سے کہہ ہی چکا ہوں کہ میں اس عہدے کا اہل نہیں ہوں'' اس جواب پر وہ قید کر لئے گئے اور اُن پر درّے بھی مارے گئے۔ امام اعظمؒ نے اس طرح ایک مثال قائم کی کہ کس طرح خوف و لالچ اور مفاد و نقصان سے بالاتر ہو کر حق پر ڈٹ جانا چاہئے۔

ہمارے علم میں یہ بات ہونا چاہئے کہ آج بھی ایسے علماء موجود ہیں جو بغیر کسی خوف کے حق کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور خلافت کے دوبارہ قیام کیلئے برابر کوشش کر رہے ہیں۔ مثلاً امام علی سید ابو الحسنؒ جو خرطوم کی مسجدِ صحابہ کے امام اور خطیب تھے، انہوں نے سوڈان کے حاکم جنرل عمر البشیر کو جبکہ وہ ان کی مسجد میں آیا تو اسے برسرِ عام چیلنج کیا جس پر انہیں دو سال کی جیل کی سزا بھگتنا پڑی۔ دوسری مثال شیخ ثامر نجار حفیظ اللہ کی ہے۔ وہ کئی سال اردن میں قید رہے کیونکہ وہ خلافت کے دوبارہ قیام کیلئے کوشاں تھے۔ انہیں جیل میں بہت اذیتیں دی گئیں اور ٹارچر کیا گیا، پھر بھی وہ دین کے معاملہ میں مفاہمت اور کمپرومائز کرنے کو تیار نہیں ہوئے اور ظالم حکمرانوں کے سامنے حق بات کہنا جاری رکھا۔

ایک اور مثال شیخ عصام عمیرہ کی ہے جو القدس کی بیت الثقیفہ مسجد کے امام ہیں، انہیں فلسطینی حکومت ہر سال رمضان میں قید کر دیتی ہے کیونکہ لوگ اُن کے خطبوں کا اثر قبول کرتے ہیں۔ آخر میں ہم اس بحث کے خلاصہ پر ایک نظر ڈال لیں:

(1) یہ ہمارے اوپر فرض عین ہے کہ ہم اپنی تمام تر صلاحیتیں اور کوششیں منکر کو ختم کرنے اور خلافت کو دوبارہ قائم کرنے میں لگا دیں..... یہ قطعی فرض ہے۔

(2) اس کام کی مخالفت کرنا اللہ تعالیٰ کی شریعت کی مخالفت کرنا ہے۔ اگر کسی فروعی مسئلہ پر ہمیں اختلاف ہے تو بھی ہمیں اس عظیم کام کی مخالفت نہیں کرنا چاہئے بلکہ ہمیں ان لوگوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا چاہئے جو اس کام کی مخالفت کر رہے ہیں۔

(3) ہمیں اپنی تمام صلاحتیں اس کام میں لگا دینا چاہئے، یعنی ہم کو اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ ہم کس طرح عملی طور پر اس کام میں تعاون اور شرکت کر سکتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم بالکل اُسی طرح خلافت کے قیام کی اس کوشش میں بھرپور حصہ لیں، اس کیلئے عوام میں ماحول بنائیں اور اُنہیں اس کام کیلئے تیار کریں جس طرح کہ ماضی میں علماء کرتے رہے ہیں۔

(4) ہمیں ناامید اور شکست خوردہ نہیں ہونا چاہئے چاہے ہمارے سامنے کتنی ہی پریشانیاں اور رکاوٹیں آئیں اور ابتدائی مرحلے میں چاہے لوگ اس کی کتنی ہی مخالفت کریں کیونکہ اللہ ﷻ نے اس کا وعدہ کیا ہے اور اس کے رسول ﷺ نے اپنی حدیثِ مبارکہ میں اس کی پیشن گوئی فرما دی ہے۔

((ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةً عَلَى منهاج النبوة))

''پھر عین نبوت ہی کی طرز پر خلافت ہوگی''

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس بات کی توفیق دے کہ ہم حق کیلئے اُٹھ کھڑے ہوں اور اس کے دین کو اس زمین پر غالب کرنے کیلئے جت جائیں۔

• • •

بقیہ صفحہ نمبر 16 سے

خلافت کو مغربی افکار اور اصطلاحوں کی عینک سے دیکھنا ایک فاش غلطی ہے

سترھویں ترمیم جیسا بل پاس ہو جاتا ہے اور اس کے ذریعے اسلام سے صریحاً متصادم پالیسیوں کو قانونی تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔ ان حرام پالیسوں میں امریکہ کو لاجسٹک سپورٹ، اڈے اور انٹیلی جنس فراہم کرنا اور پانچ سو سے زائد مسلمانوں کو گوانتاناموبے بھجوانا وغیرہ شامل ہیں۔ جنہیں تمام اسلامی پارٹیاں سترھویں ترمیم سے قبل حرام اعمال گردانتی تھیں۔ نیز اسی سترھویں ترمیم کی وجہ سے اب ان تمام حکومتی اقدامات اور پالیسیوں کو کوئی شہری قانوناً کسی بھی عدالت میں چیلنج نہیں کر سکتا۔ یہی وہ آئین ہے جو آرٹیکل 248 کے تحت اسلام کے برخلاف حکمرانوں کو اپنی سرکاری ذمہ داریوں کی جواب دہی کے لئے عدالت میں پیش ہونے سے مستثنیٰ اور قانون سے بالاتر قرار دیتا ہے۔ اور یہ وہی آئین ہے جو صدر کو ایک قاتل کو معاف کرنے کا اختیار دیتا ہے جو کہ اسلام کے تحت مقتولین کے ورثا کے لئے مخصوص ہے۔ یہی وہ آئین ہے جس کی آشیر باد سے انگریز کا چھوڑا ہوا عدالتی نظام اور سودی اقتصادی نظام اب تک عوام پر ظلم ڈھا رہا ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ 73 کا آئین ایک خالصتاً سیکولر آئین ہے جس کے تحت گزشتہ تینتیس سال سے کفریہ نظام نافذ ہے۔

اس کے سیکولر ہونے کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ تمام سیکولر پارٹیاں اس آئین کو نہ صرف تسلیم کرتی ہیں بلکہ اس کی بحالی کے لئے آواز بھی بلند کرتی ہیں۔

خلافت وہ نظام ہے جسے خود رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین نے نافذ کر کے دکھایا۔ اس کو سمجھنے کے لئے ہمیں قرآن، سنت، اجماع الصحابہ اور قیاس جیسے ماخذ کی طرف رجوع کرنا چاہئے نہ کہ اسے مغربی افکار اور اصولوں میں تلاش کیا جائے۔ درحقیقت اسلام ہمیں محض موٹے موٹے اصول نہیں دیتا بلکہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق تفصیلی اور جزئیات پر مبنی قوانین دیتا ہے۔ نیز انہی قوانین کو مکمل طور پر صرف خلافت کے ذریعے ہی نافذ کیا جا سکتا ہے۔

• • •

پاکستان میں معاشی بدحالی کی وجہ سرمایہ دارانہ نظام کا نفاذ ہے

میگزین رپورٹ

9 جون 2007 کو وزیرِ معیشت عمر ایوب نے قومی اسمبلی میں بجٹ پیش کیا، جس میں حکومت کے اخراجات اور محصولات کی وصولی کو بیان کیا گیا تھا۔ جس کے بعد سینٹ اور قومی اسمبلی کے ممبران نے بجٹ بل کو پاس کرنے سے قبل اس پر کئی دنوں تک طویل اور گرما گرم بحث کی۔

افسوس ناک امر یہ ہے کہ اس تمام بحث مباحثے کے دوران پاکستان کے سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام کو مسترد نہیں کیا گیا کہ جس نے پاکستان کے لوگوں کو ہر نوعیت کی اقتصادی بدحالی سے دوچار کر رکھا ہے۔ اور اس وقت جب کہ عوام ضروریاتِ زندگی کی بڑھتی ہوئی قیمتوں، بھاری ٹیکسوں اور سہولیات کی گرانی کا سامنا کر رہے ہیں، سرمایہ دارانہ نظام دولت کو مغربی مفادات اور پاکستان کے چند انتہائی امیر افراد کے ہاتھوں میں مرتکز کر رہا ہے۔

حکومت کی طرف سے اقتصادی ناکامی کو چھپانے کی کوشش دراصل ظالمانہ دھوکہ دہی ہے۔ مثال کے طور پر حکومت اس بات پر فخر کر رہی ہے کہ وہ یوٹیلٹی سٹوروں پر چند کھانے پینے کی اشیاء کی قیمتوں کو کم کرنے کے لیے 1.8 ارب روپے خرچ کرے گی۔ تاہم اگر اس رقم کو پاکستان کے 7 کروڑ غریب آبادی پر تقسیم کیا جائے تو یہ رقم محض دو روپے فی کس فی مہینہ بنتی ہے (اگر اس بات کو فرض کر لیا جائے کہ دور دراز علاقوں کے یہ غریب لوگ یوٹیلٹی سٹوروں پر پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہیں)۔

حکومت غریبوں کے لیے علامتی اقدامات کرنے پر مطمئن ہے، لیکن اس نے جولائی 2006 سے مارچ 2007 کے دوران قرضوں پر بننے والے سود کی ادائیگی کے لیے 417 ملین ڈالر (تقریباً 25 ارب روپے) خرچ کیے۔ پاکستان کے قرضوں کا بیشتر حصہ آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور پیرس کلب جیسے اداروں سے حاصل کیے جانے والے قرضوں پر مشتمل ہے جن پر مغربی استعمار کا غلبہ ہے۔ نیز انہی مغربی قرضوں میں 2002ء سے 2007ء تک، 3.5 ارب ڈالر کا اضافہ ہو چکا ہے اور یہ قرضے اب بڑھ کر 32.34 ارب ڈالر تک پہنچ گئے ہیں۔

یہ ناانصافی ہی کیا کم تھی کہ موجودہ نظام پاکستان کو مغرب کی معاشی ضروریات کے ساتھ نتھی کر رہا ہے، اور مغربی استعمار کی خاطر لوگوں کی بدحالی کو مزید سنگین بنا رہا ہے۔

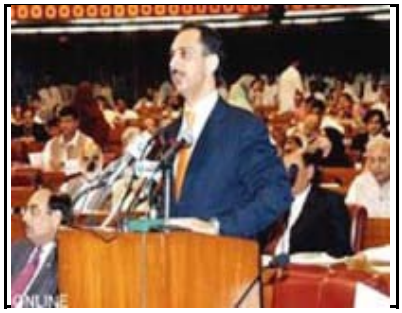

آئی ایم ایف کی محتاط نظر کے تحت پاکستان کی حکومت لوگوں پر ٹیکسوں کے بوجھ میں مسلسل اضافہ کر رہی ہے۔ 2001 کے مالی سال کے اختتام سے لے کر اب تک ٹیکسوں کی وصولی میں 80% سے زیادہ اضافہ ہو چکا ہے۔ اور حکومت نے مغربی استعمار سے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ آئندہ مالی سال کے دوران ٹیکس وصولی کے ہدف میں مزید 190 ارب روپے کا اضافہ کیا جائے گا۔ یہ رقم یوٹیلٹی سٹوروں میں خوراک کی قیمتوں کو کم کرنے کے لیے حکومت کی طرف سے مختص کی جانے والی رقم سے 100 گنا زیادہ ہے!!

ٹیکسوں کی بھرمار نے داخلی معیشتی سرگرمی کا گلا گھونٹ دیا ہے، اور یہ پاکستان کی معیشت کو تیزی سے اُبھرنے اور مغربی ممالک کی معیشتوں کو چیلنج کرنے سے روکے ہوئے ہے۔ انکم ٹیکس لوگوں کی تنخواہوں کو کھا جاتا ہے، جی ایس ٹی ٹیکس کھانے پینے کی لوازمات اور ادویات کی خریداری کو بوجھ بنا دیتا ہے، جبکہ ایندھن اور توانائی کے وسائل پر ٹیکس صنعتی اور زرعی پیداوار کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔

مغربی مفادات کی تکمیل کے لیے ملکی اثاثہ جات کی پرائیویٹائزیشن کے منصوبے کو شدومد سے چلایا جا رہا ہے، جس نے معاشی بدحالی کو مزید بڑھا دیا ہے۔ 1999 سے اب تک پرائیویٹائزیشن کے عمل سے 6.1 ارب ڈالر حاصل کیے گئے، یہ رقم حکومت کی طرف سے یوٹیلٹی سٹوروں میں خوراک کی قیمتوں کو کم کرنے کے لیے مختص کی جانے والی رقم سے 2000 گنا زیادہ ہے!!

نہ صرف یہ کہ پرائیویٹائزیشن کے پروگرام میں اُن اشیاء کی نج کاری بھی شامل ہے جن کا تعلق عوامی ضروریات سے ہے، جیسا کہ گیس اور بجلی کے ذرائع وغیرہ، بلکہ نج کاری کے عمل کے تحت ان عوامی سہولیات کی قیمتوں میں اضافہ کیا جاتا ہے تاکہ ان اداروں کو خریدنے والے بے پناہ منافع کما سکیں۔ مثال کے طور پر ورلڈ بینک نے بجلی کی قیمتوں میں اضافے کے عمل کی محتاط نگرانی کی، چنانچہ 2000ء سے 2004ء کے دوران بجلی کی قیمتوں میں اضافہ کیا گیا اور اس کے بعد بھی اس کی قیمت بڑھتی گئی، تاکہ نج کاری کے عمل کے بعد پاکستان کے چند امیر ترین افراد ان توانائی کے وسائل کی ملکیت حاصل کر کے بے پناہ دولت سمیٹ سکیں، جبکہ توانائی کی قیمتیں معاشرے کے باقی لوگوں کی پہنچ سے باہر ہو گئی ہیں۔

ایک اور مغربی استعماری پالیسی جس نے لوگوں کے مصائب و مشکلات میں اضافہ کیا ہے، وہ پاکستانی کرنسی کی قیمت میں بتدریج کمی ہے۔ حکومتِ پاکستان حقیقی دولت جیسا کہ سونا اور چاندی کو بنیاد بنائے بغیر مزید کرنسی نوٹ چھاپتی رہتی ہے، جس کے

نتیجے میں افراطِ زر کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے اور پیسے کی قوتِ خرید میں کمی واقع ہوتی ہے۔ پاکستان کے روپے کی قیمت میں کمی مغربی ملٹی نیشنل کمپنیوں کو فائدہ پہنچاتی ہے جو پاکستان میں سستی قیمت پر مال تیار کر کے مغرب میں اچھے داموں پر فروخت کرتی ہیں۔ تاہم روپے کی قیمت میں کمی کے نتیجے میں چیزوں کی خریداری مہنگی ہو جاتی ہے اور کئی مقامی صنعتیں متاثر ہوتی ہیں۔ یہ مسئلہ اس قدر سنگین ہے کہ مقامی صنعت کاروں نے یا تو اپنے کاروبار کو بالکل خیر باد کہہ دیا ہے یا انہوں نے امپورٹ ایکسپورٹ کا کام شروع کر دیا ہے، جس سے مغربی معیشتوں کی ضروریات ہی پوری ہو رہی ہیں۔

لہٰذا ان متعدد سرمایہ دارانہ پالیسیوں کے ذریعے مغربی استعمار حکومتِ پاکستان کی ملی بھگت سے پاکستان کے لوگوں کو اقتصادی بدحالی کی دلدل میں دھکیل رہا ہے۔ یہ پاکستان کا سرمایہ دارانہ نظام ہی ہے جس نے دولت کو چند ہاتھوں میں مرتکز کر دیا ہے، اور جس نے پاکستان کے ایک مختصر مگر انتہائی امیر گروہ اور مغربی استعمار کی خاطر تمام معاشرے کو بے یارومددگار چھوڑ رکھا ہے۔ دراصل ایسا ہونا ناگزیر ہے کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام جہاں بھی نافذ ہوا، وہ دولت کے حد درجے ارتکاز کا باعث بنا۔ یورپ اور امریکہ میں بھی وسائل اور دولت کا زیادہ تر حصہ وہاں چند افراد کی ملکیت میں ہے۔ فی الحقیقت سرمایہ دارانہ نظام انسان کا خود ساختہ نظام ہے، جو لوگوں کو اس بات کا اختیار دیتا ہے کہ وہ اپنی خواہشات اور لذتوں کی خاطر دوسروں کا استحصال کریں۔

سرمایہ دارانہ نظام کا پاکستان کے مسلمانوں کی معاشی بدحالی کا باعث بننا ایک ناگزیر بات تھی کیونکہ یہ اُن احکامات سے متضاد ہے جو اللہ نے نازل کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيْشَةً ضَنْكاً﴾

''جو میرے ذکر (قرآن) سے منہ موڑے گا، تو اس پر زندگی تنگ ہو جائے گی'' (طٰہٰ: 124)

اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات اور احادیث کے ذریعے معیشت کے تمام پہلوؤں کی طرف راہنمائی کی ہے، کیونکہ اسلام واقعی ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ صرف اسلام کا اقتصادی نظام ہی اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہونے کی بجائے معاشرے میں گردش کرتی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا:

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ﴾

''تاکہ وہ (مالِ فئے) تمہارے دولت مندوں کے ہاتھوں میں ہی گردش نہ کرتا رہے'' (الحشر:9)

چنانچہ اسلام کا اقتصادی نظام جی ایس ٹی اور انکم ٹیکس جیسے ظالمانہ ٹیکسوں سے پاک ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لا یدخل الجنة صاحب مکس))

''ٹیکس لینے والا جنت میں داخل نہ ہوگا'' (مسند احمد)

اس کی بجائے اسلام نے محاصل کا بالکل منفرد نظام دیا ہے، جس میں عوامی اثاثہ جات مثلاً گیس کی اضافی مقدار سے حاصل ہونے والی آمدنی، زرعی پیداوار سے حاصل ہونے والے محصولات مثلاً خراج وغیرہ شامل ہیں، جو معیشتی سرگرمی کا گلا گھونٹے بغیر آمدنی کے حصول کا باعث بنتے ہیں۔

اسلام کا اقتصادی نظام توانائی، چراگاہوں اور پانی جیسے وسائل کو عوامی ملکیت قرار دیتا ہے۔ نہ تو ریاست اور نہ ہی افراد ان سے حاصل ہونے والے فائدے کو غصب کر سکتے ہیں، بلکہ ان سے تمام لوگوں کو فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((المسلمون شرکاء فی ثلاث الماء و الکلا و النار))

''تین چیزوں میں تمام مسلمان شریک ہیں: پانی، چراگاہیں اور آگ'' (مسند احمد)

نیز اسلامی ریاست میں کرنسی نوٹ سونے اور چاندی کی بنیاد پر چھاپے جاتے ہیں، نتیجتاً موجودہ Fiat Currency، جس کی بنیاد سونے اور چاندی کی مقدار پر نہیں، کے نتیجے میں ہونے والے اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کی روک تھام ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا اور دیگر اسلامی قوانین اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ اسلام کا اقتصادی نظام ریاست کے وسائل کی دیکھ بھال احسن طریقے سے کرے۔ فی الحقیقت ریاست اس بات کو ممکن بنائے گی کہ ہر شہری کی بنیادی ضروریات پوری ہوں، خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ علاوہ ازیں ہر شخص کو یہ موقع فراہم کیا جائے گا کہ وہ دوسروں کے حق کو غصب کیے بغیر زندگی کی آسائشوں کو حاصل کر سکے۔ خلافت کے سائے تلے ایک مختصر عرصے میں پاکستان اپنی حقیقی اقتصادی صلاحیت کو حاصل کر لے گا، جسے وہ اب تک حاصل نہیں کر سکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ﴾

''اور جو کچھ اللہ نے تجھے دے رکھا ہے اس میں اس آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ اور اپنے دنیاوی حصے کو نہ بھول اور جیسے کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی احسان کرتا رہ اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ رہا کر بے شک اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔''

(القصص: 77)

ماضی میں جب ریاستِ خلافت اسلام کے اسی معاشی نظام کے تحت حکمرانی کرتی تھی تو مسلمانوں کو کبھی بھی موجودہ دور جیسی معاشی بدحالی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ حتیٰ کہ ریاستِ خلافت میں ایک دور ایسا بھی آیا کہ پوری ریاست کے اندر جس میں افریقہ کے ممالک بھی شامل تھے کوئی زکوٰۃ کا حق دار موجود نہ تھا اور ریاست نے زکوٰۃ کو دوسرے ممالک میں موجود غلاموں کو آزاد کروانے کے لیے استعمال کیا۔ اس کی ایک ہی وجہ تھی کہ وہاں پر سرمایہ داریت جیسا استحصالی نظام موجود نہ تھا اور لوگ اسلام کے نظام تلے زندگی گزار رہے تھے۔ کوئی وجہ نہیں کہ یہ نظام جس نے ماضی میں انسانیت کو انسان کی غلامی سے نکال کر معاشی بدحالی سے بچایا، آج بھی اس قابل ہے کہ اگر یہ نافذ ہو تو دوبارہ وہ انسانیت کو فلاح کی طرف لے کر جائیگا۔

● ● ●

حزب التحریر کی جانب سے جاری کردہ پمفلٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فلسطین میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ جرم سے بھی بڑھ کر ہے، بلکہ یہ ایک گھناؤنا کھیل ہے

کیا شر کی طرف لپکنے والوں میں کوئی عقل والا ہے؟!

کیا یہ عظیم جرم نہیں کہ فتح، تنظیم، جس سے لوگ یہ اُمید کرتے تھے کہ وہ پورے کے پورے فلسطین کو آزاد کرائے گی، کا انجام بالآخر یہ ہوا کہ وہ قابض کفار کے سائے تلے ایسی حکمرانی کر رہی ہے جہاں اسے نہ کوئی طاقت حاصل ہے اور نہ ہی اس کے پاس اتھارٹی نام کی کوئی چیز ہے۔ وہ اس چیز پر ڈھٹائی سے خوشیاں منا رہی ہے اور اپنی تعریفوں کے پُل باندھ رہی ہے کہ اس نے فلسطینی اتھارٹی کے زیرِ حکومت علاقے میں حماس اور اس کی فوجی ملیشیاء کے داخلے پر پابندی لگا دی ہے، جبکہ اس کا فرض تو یہ تھا کہ وہ اس علاقے میں یہودی فوجیوں کے سرِعام دندنانے اور گشت کرنے کو روکتی؟

پھر کیا یہ عظیم جرم نہیں کہ حماس، جس سے لوگ امید کرتے تھے کہ وہ پورے کے پورے فلسطین کو آزاد کرائے گی، کا انجام بالآخر یہ ہوا کہ وہ قابض کفار کے سائے تلے غزہ کے علاقے میں حکمرانی کر رہی ہے۔ حماس غزہ کی پٹی کو الفتح اور اس کی فوجی ملیشیاء سے آزاد کرانے پر اللہ کا شکر ادا کر رہی ہے۔ حماس اس بات کا مشاہدہ کرنے سے قاصر ہے کہ اس نے دراصل کچھ بھی حاصل نہیں کیا؛ کیونکہ چاہئے تو یہ تھا کہ حماس غزہ کی پٹی کو یہودیوں کے تسلط اور ان کی پالیسیوں سے آزاد کراتی، جنہوں نے غزہ کے علاقے کو گردن سے پکڑ رکھا ہے؟!

کیا یہ عظیم جرم نہیں کہ دونوں جماعتوں نے وہ کر دکھایا، جسے یہودی ریاست بھی سرانجام نہ دے سکی۔ انہوں نے نہ صرف اپنے الفاظ کے ذریعے بلکہ اپنے عمل کے ذریعے نہایت واضح انداز میں غزہ کی پٹی اور مغربی کنارے کی علیحدگی کا اعلان کر دیا۔

اور کیا یہ عظیم جرم نہیں، بلکہ یہ ایک رسوا کن کھیل ہے کہ جو اس بات کا (جھوٹا) دعویٰ کرتے تھے کہ ہماری جماعت اس لیے قائم ہوئی ہے کہ فلسطین کے مسلمانوں کے خون کی حفاظت کی جائے، انہوں نے ہی فلسطین کے مسلمانوں کا پاک خون بے دریغ بہایا۔

اے مسلمانو!

ہر صاحبِ بصیرت شخص، جس نے اعلانِ مکہ کو غور سے دیکھا، پر یہ بات واضح ہے کہ اعلانِ مکہ حماس کے لیے بچھایا جانے والا جال تھا، تاکہ وہ انتخابی سیاست میں شامل ہو جائے اور اس کی کامیابی کے لیے راہ ہموار کی گئی، چنانچہ حماس نے ہتھیاروں کو چھوڑ کر قابض قوتوں کے سائے تلے حکمرانی کرنے کو تسلیم کر لیا۔ یہ جال کامیاب رہا اور حماس نے شکاری کا یہ نوالہ نگل لیا۔ مقصد یہ تھا کہ اسلام پسند لوگ، سیکولر لوگوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے فلسطین کے متعلق بین الاقوامی قراردادوں کو تسلیم کر لیں۔ ان تمام قراردادوں میں 1948 کے مقبوضہ فلسطین پر یہودی ریاست کے وجود کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے اور یوں تنازعے کا موضوع اُس علاقے تک محدود ہو گیا ہے، جس پر یہودیوں نے 1967 میں قبضہ کیا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ اہلِ فلسطین خواہ وہ اپنے آپ کو سیکولر کہلواتے ہیں یا اسلام پسند، اس بات کو قبول کر لیں۔ تمام فلسطینی دھڑوں نے بغیر کسی تحفظات کے ان معاہدات کو تسلیم کر لیا، ماسوائے اسلامی جہاد کے، جس نے انہیں مکمل طور پر مسترد کر دیا، جبکہ پاپولر فرنٹ نے ان معاہدات کو جزوی طور پر مسترد کیا۔

مکہ کا اعلامیہ جو فروری 2007 میں ہوا، وہ اکتوبر 1988 میں ہونے والے الجزائر کے اعلامیے کا ہی اعادہ ہے، جس کی توثیق پی ایل او نے الفتح کے زیرِ قیادت کی تھی، جس کے نتیجے میں فلسطین کا مسئلہ محض 1967 کے مقبوضہ علاقے تک محدود ہو گیا۔ جن لوگوں نے اس وقت الجزائر کے اعلامیے پر دستخط کیے، وہ سیکولر تصورات کے حامل تھے، چنانچہ اس بات کی ضرورت تھی کہ اس منصوبے کے لیے اسلام پسندوں کی توثیق بھی حاصل کی جائے۔ اعلانِ مکہ کے نتیجے میں یہ ہدف حاصل ہو گیا، جب اسلام پسندوں نے بھی اس منصوبے پر دستخط کر دیے۔ چنانچہ اعلانِ مکہ سے کچھ عرصہ پہلے فتح اور حماس کے درمیان لڑائی سے اس اعلامیے کی زمین تیار ہوئی۔ تاکہ فلسطین کے سادہ لوگ یہ تصور کریں کہ اس معاہدے کا مقصد یہ ہے کہ خونریزی کو روکا جائے، اور وہ اس معاہدے کے سیاسی ہدف سے غافل ہو جائیں۔

اہلِ بصیرت لوگوں پر واضح تھا کہ حماس حکومت کے برسرِ اقتدار آنے سے حکومت کے دو سر براہ وجود میں آ جائیں گے: ایک اتھارٹی کے لیے اور دوسرا حکمرانی کے لیے۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ دو قوتیں مدِ مقابل آ جائیں جو طاقت کے لحاظ سے ایک دوسرے

کے ہم پلہ ہوں، ایک سیکولر اور دوسری اسلامی۔ تاہم امریکہ اور یہودی ریاست یہ چاہتے تھے کہ حکومت بنانے کی دستخطی تقریب کے سوا حماس کو کوئی عملی کردار حاصل نہ ہو۔ اور فلسطینی اتھارٹی کی بنیادوں کو چھیڑے بغیر اسکے سٹرکچر میں معمولی ردو بدل کر کے، پی ایل او میں حماس کی پوزیشن کو کمزور کیا جائے۔ تاہم یورپ بالخصوص برطانیہ یہ چاہتا تھا کہ حماس کے پاس نہ صرف حکمرانی ہو بلکہ اسے عملی طور پر اتھارٹی بھی حاصل ہو۔

لوگوں کی نظر میں الفتح کی کمزوری یہ تھی کہ الفتح حکمرانی و اتھارٹی کے حصول کی خواہش کو باقی تمام چیزوں پر مقدم رکھتی ہے، اور لوگ سمجھتے تھے کہ حماس ایسی نہیں ہے۔ چنانچہ منصوبہ یہ تھا کہ حکمرانی میں حماس کو فتح کے ساتھ شریک کر دیا جائے، تاکہ حماس کے متعلق لوگوں کے تاثر کو تبدیل کیا جائے، اور لوگ یہ تصور کرنا شروع کر دیں کہ حماس بھی طاقت و اقتدار کی بھوکی ہے۔ یہ کام کرنے کے بعد انہوں نے اس چیز کے لیے کوششیں شروع کر دیں کہ حماس کو رفتہ رفتہ حکومت سے بے دخل کیا جائے اور طاقت کا مرکز ایک ہی رہے، اور پھر پی ایل او میں حماس کی پوزیشن کو کمزور کیا جائے۔ یوں لوگوں کو حماس کے جانے کا افسوس نہ ہو کیونکہ اس وقت تک وہ یہ جان چکے ہوں گے کہ طاقت و اقتدار کی خواہش میں حماس اور الفتح میں کوئی فرق نہیں!

اے مسلمانو! اے ارضِ فلسطین کے لوگو!

استعماری کفار اپنے اہداف کو حاصل کرنے کے لیے کمربستہ ہیں خواہ اس کے لیے انہیں ایک شدید بحران پیدا کرنا پڑے جو خونریزی کا باعث بنے اور خواہ اس کا نتیجہ اس سے بھی برا ہو۔ اب تک یہی ہو رہا ہے، حماس اور فتح کے درمیان ہونے والی گذشتہ خونریزی نے اعلانِ مکہ کی راہ ہموار کی، اور لوگوں نے مکہ معاہدے پر دستخط کو اس نظر سے دیکھا کہ اب خونریزی تھم جائے گی، جبکہ انہوں نے اس کے پسِ پردہ موجود سیاسی چال پر غور نہ کیا۔ حماس اور فتح کے درمیان حالیہ لڑائی میں فتح کے مٹھی بھر جنگجوؤں نے غزہ میں حماس کو اُکسایا، اگر حماس صبر کے ساتھ اس صورتِ حال سے نبٹتی تو فتح کی سازش لوگوں کے سامنے بے نقاب ہو جاتی۔ اس کی بجائے حماس نے شدت کے ساتھ اس کا عسکری جواب دیا، جس کے نتیجے میں جانیں ضائع ہوئیں اور خونریزی ہوئی۔ اس خونریزی سے عورتیں، بچے اور بوڑھے بھی محفوظ نہ رہے۔ اس لڑائی نے لوگوں کی املاک کو نقصان پہنچایا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس قتل و غارت کے دوران حماس یا تو رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کو بھول گئی یا اس نے اس حدیث کو پسِ ہشت ڈال دیا ہے:

((لزوال الدنیا اھون علی اللّٰہ من قتل رجل مسلم))

''ایک مسلمان کا قتل اللہ کی نظر میں پوری دنیا کے خاتمے سے زیادہ بھاری ہے'' (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

حماس کی سیاسی کم فہمی اور سیاست سے دوری ایک کے بعد دوسرے بحران کا سبب بنی، اور ان دشمنانہ لڑائیوں کے دوران معصوم مسلمانوں کا خون بہنے پر منتج ہوئی۔ جبکہ حماس یہ گمان کر رہی ہے کہ اس نے اچھے ثمرات حاصل کیے ہیں، حتیٰ کہ وہ اس پر اللہ کا شکر بھی ادا کر رہی ہے!

اب حماس نے غزہ پر کنٹرول حاصل کر لیا ہے اور وہاں پر اس کی حکومت ہے، جبکہ مغربی کنارے میں فتح کے منظورِ نظر افراد کی حکومت قائم ہے۔ دونوں شر انگیز چپقلشوں میں ایک دوسرے کا مقابلہ کر رہے ہیں، جو خواہ کم عرصے کے لیے ہوں یا زیادہ عرصے کے لیے، دونوں صورتوں میں صیہونی یہودیوں کے مفادات ہی پورے ہوں گے، جو کہ فلسطین کے بچے کھچے حصے کو بھی چیڑ پھاڑ کر ہضم کرنا چاہتے ہیں۔ صیہونی ان ہلاکتوں کے ذریعے فلسطینیوں میں نفرت اور دشمنی کے بیج بونا چاہتے ہیں۔ کیا صیہونی اس بحران میں فلسطینی گروہوں کے لیڈروں کے دانستہ یا غیر دانستہ تعاون کے بغیر ایسا کرنے کی قدرت رکھتے تھے؟ یقیناً نہیں۔

اے مسلمانو! اے ارضِ فلسطین کے لوگو!

حزب التحریر فتح اور حماس کے باقی مخلص لوگوں کو پکارتی ہے کہ وہ فلسطینی اتھارٹی کے دفاتر اور مراکز کو بند کر دیں اور اس حکومت سے بھی دستبردار ہو جائیں جو قابض قوتوں کے سائے تلے کام کر رہی ہے، اور ان لوگوں کے ہاتھوں کو روکیں جنہیں نے غزہ اور مغربی کنارے کی بے اختیار وزارتی کرسیوں پر قبضہ جما رکھا ہے، اور ان کا سامنا اس طرح کریں کہ جس طرح اللہ اور اس کا رسول ﷺ خوش ہوں۔ یہ چیز انہیں اس دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب سے بچائے گی۔ قابض قوتوں کے تسلط کے سائے تلے اتھارٹی، دراصل اتھارٹی کے نام پر مذاق ہے۔ یہ اتھارٹی جو مسلمانوں کے ہاتھ باندھتی ہے، انہیں تقسیم کرنے کی کوشش کرتی ہے، انہیں قتل کرتی ہے اور ان کا خون بہاتی ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کے سوا کچھ نہیں۔

ہم حماس اور الفتح کی صفوں میں موجود مخلص اور بے لوث لوگوں کو پکارتے ہیں کہ آپ اس بحران کو اس طرح دیکھیں جیسے کہ بحران کی حقیقت ہے، اور صیہونی ریاست کا جڑ سے خاتمہ کر کے تمام کے تمام فلسطین کو دوبارہ دیارِ اسلام میں شامل کریں۔ اور اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو کم از کم کفار کے خلاف مورچہ بند رہیں اور ان اہداف پر استقامت اختیار کریں جو آپ کو عزیز ہیں، تاکہ آپ عمر بن الخطاب ؓ کی فوج کے ہراول دستے کی مانند بن سکیں جس نے القدس کو فتح کیا تھا، یا صلاح الدین کی فوج کے ہراول دستے کی مانند بن سکیں جس نے خلیفہ ناصر عباسی کے دور میں فلسطین کو صلیبیوں کے تسلط سے آزاد کرایا تھا یا آپ خلافت کی فوج کا ہراول دستہ بن سکیں جو دوبارہ اور ہمیشہ کے لیے فلسطین کو آزاد کرائے گی۔

﴿وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ . بِنَصْرَاللّٰهِ﴾

''اور اس دن مؤمنین اللہ کی نصرت کے آنے پر خوش ہونگے'' (الروم)

۳ جمادی الآخر ۱۴۲۸ھ **حزب التحریر**

18 جون 2007ء

• • •

• • •

مسلمانوں سے ماہِ رمضان کی پکار

خصوصی مضمون

الحمدللہ، رمضان کا مبارک مہینہ ہم پر دوبارہ آن پہنچا ہے۔ یہ وہ مبارک مہینہ ہے کہ جس میں قرآنِ کریم کو لوحِ محفوظ سے بیتُ العزۃ پر نازل کیا گیا۔ یہ وہ مہینہ ہے جس کی ایک رات یعنی لیلۃ القدر میں عبادت کرنا ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسلمانوں کو روزے رکھنے کا حکم دیا ہے، اس مہینے میں اللہ تعالیٰ شیاطین کو باندھ دیتا ہے، جہنم کے دروازوں کو بند کر دیتا ہے اور جنت کے دروازے کھول دیتا ہے، تاکہ مسلمان تقوے میں اپنا مقام بلند کریں اور اللہ سے اپنے لیے طاقت وقوت حاصل کریں، جو قوی اور عظیم ہے۔

مسلمانوں کی پچھلی نسلیں، جب اللہ سبحانہ تعالیٰ کے قوانین کے مطابق حکومت کیا کرتی تھیں، تو وہ کفار کے خلاف فتح وکامیابی حاصل کرنے کے لیے رمضان کی بے پناہ رحمت و برکات سے فائدہ اٹھاتی تھیں۔ **اسلامی ریاست** نے رسول اللہ ﷺ کی قیادت کے تحت قریش کو بدر کی جنگ میں شکست دی تھی، وہ قریش جو تمام عرب قبائل کے سردار تھے؛ اس امر کے باوجود کہ **اسلامی ریاست** کی فوج کی تعداد کم تھی، ان کے ہتھیار نہایت قلیل تھے اور مدِ مقابل فوج تعداد میں اُن سے تین گنا بڑی تھی، اور طاقت و تجربے میں ان سے بڑھ کر تھی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

"جنگِ بدر میں اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کی مدد کی، جبکہ تم بے سروسامان تھے، پس تم اللہ ہی سے ڈرو، تاکہ تم شکر گزار بنو" (ال عمران: 123)

اور یہ رمضان ہی کا مہینہ تھا جب **اسلامی ریاست** نے مکہ کو فتح کیا اور بالآخر قریش پر اسلام کی اتھارٹی کو قائم کیا، اور دوسروں کے خلاف قریش کے ظلم وستم کا خاتمہ کیا اور یوں باقی علاقوں میں **اسلامی ریاست** کے تیزی سے پھیلاؤ کی راہ ہموار ہوگئی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فتح مکہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ o وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾

"جب اللہ کی مدد آ پہنچی اور فتح حاصل ہوگئی اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں" (النصر: 1-2)

رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کے دور کے بعد بھی رمضان کے دوران **اسلامی ریاستِ خلافت** نے سینکڑوں سالوں تک اسلام کی حکمرانی تلے انتہائی مضبوط اور سخت جان دشمنوں کے خلاف اہم فتوحات حاصل کیں۔ چنانچہ یہ ماہِ رمضان ہی تھا کہ جس میں مسلمانوں نے صلیبیوں کو بلادِ شام کے علاقے سے نکال باہر کیا، اگرچہ وہ اس کے کچھ حصوں پر اپنے آپ کو مستحکم بنا چکے تھے اور وہاں ایک صدی سے زائد عرصے سے قابض تھے۔ اور یہ رمضان ہی تھا کہ جس کے دوران مسلمانوں نے عین جالوت کے میدان میں وحشی تاتاریوں کو فیصلہ کن شکست سے دوچار کیا، اگرچہ اس سے قبل انہوں نے مسلمانوں کو شدید تباہی و بربادی سے دوچار کیا تھا۔

چنانچہ جب مسلمان اسلام کے ذریعے حکومت کرتے تھے اور اُن کے معاملات اللہ کے نازل کردہ قوانین کے مطابق چلائے جاتے تھے تو رمضان اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں پر فتح حاصل کرنے کا مہینہ ہوا کرتا تھا۔ لیکن، آج **اسلامی ریاست** کی عدم موجودگی میں رمضان کے دوران آپ کا یہ حال ہے کہ آپ کو زندگی کے تمام تر معاملات میں کفار کے تسلط اور غلبے کا سامنا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کی تعداد ایک ارب سے بھی زائد ہے۔

اس رمضان کافر اقوام افغانستان، عراق، فلسطین اور کشمیر کی اسلامی سرزمین پر تسلط جمائے ہوئے ہیں اور مسلمان اپنے شہداء کی لاشوں کی گنتی کر رہے ہیں۔ جب کہ اس وقت دنیا میں مسلمان افواج کی تعداد چالیس لاکھ سے زیادہ ہے۔ لیکن اس رمضان مسلمانوں کی افواج کو اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد سے روکا جا رہا ہے، جب کہ مسلمانوں پر مسلط مغرب کے ایجنٹ حکمران انہیں کفار کو مسلمانوں سے محفوظ بنانے کے لیے بے دریغ روانہ کر رہے ہیں۔

اور سب سے بڑھ کر اس رمضان مسلمانوں کو اپنی سب سے قیمتی اور عزیز چیز یعنی دینِ اسلام پر کفار کے حملے کا سامنا ہے، جو مسلمان بچوں کے تعلیمی نصاب میں اصلاحات، نیز میڈیا اور اشتہارات کے ذریعے کرپٹ مغربی ثقافت کو ترویج دے رہے ہیں۔

اور باوجود اس کے کہ دنیا کے تیل کا 70 فیصد اور بیش بہا وسائل ہونے کے باوجود اس رمضان مسلمانوں کو بڑھتی ہوئی معاشی مشکلات کا سامنا ہے، جبکہ استعماری مغرب اپنے غلام حکمرانوں کی مدد سے امتِ مسلمہ کے انہی بے پناہ وسائل کو چوس رہا ہے۔

چنانچہ اس امر کے باوجود کہ اُمت اپنے علاقے، مادی وسائل، آبادی، افواج اور اپنے سب سے بڑے اثاثے یعنی دینِ حق (اسلام) کے لحاظ سے ایک عظیم قوت ہے، لیکن اس تمام کے باوجود امتِ مسلمہ کفار کے سامنے ذلیل ورسوا ہو رہی ہے کیونکہ آج اسلام ریاست اور حکومت کے طور پر موجود نہیں۔ مسلمانوں کا اس صورتِ حال سے دوچار ہونا ناگزیر تھا کیونکہ **اسلامی ریاستِ خلافت** کی عدم موجودگی میں سیاست اور حکمرانی کا محور معروف (نیکی) کا حکم دینا اور منکر (برائی) سے روکنا نہیں ہوتا۔ چنانچہ آج سیاست اور حکمرانی اِس امر تک محدود ہوگئی ہے کہ اُس

چیز کا حکم دیا جائے جو استعمار کی خواہش کے مطابق ہے اور ہر اُس چیز سے روکا جائے جسے استعمار ناپسند کرتا ہے۔ آج سیاست اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر لوگوں کے امور کی دیکھ بھال کرنا نہیں ہے، بلکہ آج سیاست اس حد تک گر چکی ہے کہ یہ محض موجودہ حکمرانوں اور وہ لوگ جو اِن حکمرانوں کی بجائے اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں، کے درمیان استعماری کفار کو خوش کرنے کے لیے ایک دوسرے سے گھٹیا مقابلہ بازی بن گئی ہے۔

اس رمضان، جب امتِ مسلمہ کفار کے ظلم و جبر کی وجہ سے شدید کرب سے دوچار ہے، تو مسلمانوں کو چاہیے کہ صرف نمازوں کی ادائیگی اور روزوں کے ذریعے اللہ کی طرف رجوع کرنے پر ہی اکتفاء نہ کریں۔ بلکہ ان پر یہ بھی لازم ہے کہ **اسلامی ریاستِ خلافت** کے دوبارہ قیام کے ذریعے اللہ کے دین کو زمین پر نافذ کرنے اور اسے دیگر تمام ادیان پر غالب کرنے کے لیے مصروفِ عمل ہو جائیں، تاکہ رمضان کا مہینہ دوبارہ فتوحات کا مہینہ بن جائے۔ موجودہ کرپٹ حکمرانوں کو ہٹا کر **خلافت** کو قائم کرنے کا کام مسلمانوں کے لیے اِس وقت زندگی اور موت کا مسئلہ ہی نہیں بلکہ اس کام کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ اگر مسلمان اس فرض کو پورا نہیں کریں گے، تو یہ حکمرانوں کے کئی گناہوں کو قبول کرنے کے مترادف ہو گا۔ اس فرض میں کوتاہی کے نتیجے میں دنیا میں مسلمانوں کی حالت مزید خراب ہو گی اور وہ آخرت میں بھی اللہ کی سزا کے مستحق ٹھہریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ان اللّٰه عز وجل لا یعذب العامة بعمل الخاصة حتی یروا المنکر بین ظهر انیهم و هم قادرون علی ان ینکروه فلا ینکروه ، فاذا فعلوا ذلك عذب اللّٰه الخاصه و العامة))

''بے شک اللہ تعالیٰ چند مخصوص لوگوں کے عمل کی وجہ سے سب لوگوں کو سزا نہیں دیتا، جب تک کہ وہ اپنے درمیان منکر ہوتا دیکھیں اور اسے روکنے کی قدرت رکھنے کے باوجود اسے نہ روکیں۔ پس جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ دونوں کو عذاب دے گا'' (مسند احمد)

پس یہ رمضان ہمارے لیے ایک موقع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سعادت دی ہے کہ ہم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور اس کی برکتوں سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں۔ ماہِ رمضان ہم کو پکار رہا ہے کہ ان کرپٹ حکمرانوں کے خلاف جدوجہد کو تیز کر کے اور ان کی بجائے خلافت کے دوبارہ قیام کے ذریعے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ صرف خلافت ہی اسلام کو دوبارہ ایک اتھارٹی کے طور پر استوار کرے گی، جس کے نتیجے میں ہی مسلمانوں اور ان کے دین کی حفاظت ہو سکے گی اور کفار کے دلوں پر مسلمانوں کا رعب قائم ہوگا۔ اور یہ جان لینا چاہیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہم سے فتح کا وعدہ کیا ہے، اگر ہم اللہ سے مخلص ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

''کمزوری مت دکھاؤ اور غمگین مت ہو تم ہی غالب ہو اگر تم مومن ہو'' (آل عمران: 139)

* * *

ماہِ رمضان کی برکات:

○ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((من قام لیلة القدر إیماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه.)) ''جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان اور اللہ کی طرف سے اجر و ثواب کی امید کے ساتھ قیام کرتا ہے، اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں'' (متفق علیہ) اور عائشہؓ روایت کرتی ہیں: ((کان رسول اللّٰه إذا دخل العشر أحیا اللیل، وأیقظ أهله، وجد وشد المئزر.)) ''جب ماہ رمضان اپنے آخری دس دنوں میں داخل ہوتا تو رسول ﷺ رات نماز ادا کرتے ہوئے گزارتے ہیں اور اپنے گھر والوں کو بھی اپنے ساتھ (عبادت کے لیے) جگاتے اور آپ اپنا کمر بند کس لیتے۔'' (متفق علیہ) اسی طرح روزہ کے لیے سحری کرنے میں بھی برکت ہے، انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((تسحروا فإن في السحور برکة.)) ''سحری کیا کرو، اس میں برکت ہے''۔ اور کھجور سے روزہ افطار کرنا سنت ہے اور اگر کھجور نہ ہو تو پانی سے افطار کرنا چاہیے۔ ابنِ حبان اور ابنِ خزیمہ نے اپنی صحیح میں سلمان بن عامر الضبی سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا اور اسے حسن صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إذا أفطر أحدکم فلیفطر علی تمر فإنه برکة ، فإن لم یجد تمراً فالماء فإنه طهور.)) ''جب تم میں سے کوئی روزہ افطار کرے تو اسے چاہیے کہ کھجور سے افطار کرے کیونکہ اس میں برکت ہے، اگر اس کے پاس کھجور نہ ہو تو وہ پانی سے روزہ افطار کرے کیونکہ وہ پاک ہے'' کسی روزہ دار کی افطاری کرانے میں بڑا اجر ہے، ابنِ حبان اور ابنِ خزیمہ اپنی صحیح میں زید بن خالد الجہنی سے یہ حدیث روایت کی جسے ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور اسے حسن صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((من فطر صائماً کان له مثل أجره ، غیر أنه لا ینقص من أجر الصائم شيء.)) ''جو کوئی بھی کسی روزے دار کو روزہ افطار کراتا ہے اسے روزہ دار کے ثواب کے برابر ثواب دیا جائیگا اور روزے دار کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی'' اور رمضان میں کئے گئے عمرے کا ثواب حج کے برابر ہے۔ جیسا کہ ابنِ عباس سے روایت ہے: ((عمرة في رمضان تعدل حجة.)) ''رمضان میں کئے جانے والے عمرے کا ثواب حج کے برابر ہے'' (متفق علیہ)

• • •

< تبصرہ نگار >
اُسامہ، جنید اسلم، معیز

امریکہ اور بھارت کی نیوکلیر ٹیکنالوجی پر ڈیل

27 جولائی 2007ء کو بھارت اور امریکہ کے وزرائے خارجہ نے ایک مشترکہ اعلامیہ جاری کیا جس میں امریکہ اور بھارت کے درمیان ہونے والی نیوکلیر ڈیل پر جاری مذاکرات کے کامیاب اختتام کو صدر بش اور من موہن سنگھ کے ویژن کی طرف ایک اہم قدم قرار دیا گیا۔

امریکہ کی طرف سے بھارت کو دی جانے والی اس ڈیل نے امریکہ کے دوہرے معیار کو دنیا کے سامنے ایک مرتبہ پھر بے نقاب کر دیا ہے۔ ایک طرف تو امریکہ ایٹمی پھیلاؤ کو روکنے کی بات کرتا ہے اور مسلمان ممالک تک اس ٹیکنالوجی کی رسائی کے تمام راستے مسدود کر رہا ہے۔ وہیں پر دوسری طرف بھارت کو یہ ٹیکنالوجی جھولی میں ڈال کر پیش کی جا رہی ہے۔

کیا یہ بات اب واضح نہیں ہو چکی کہ دراصل امریکہ اس خطے میں بھارت کو ایک علاقائی طاقت کے روپ میں ابھرتا ہوا دیکھنا چاہتا ہے جو ایک طرف تو چین کے مقابلے پر کھڑی ہو اور دوسری طرف اسی بھارت کو جنوبی اور وسطی ایشیا سے اُٹھنے والی اس ممکنہ ریاستِ خلافت کے لئے تیار کیا جائے۔ امریکہ کے اس منصوبے میں پاکستان کا کردار محض ایک طفیلی ریاست کا ہے جسے بھارت کو طاقتور بنانے کے لئے استعمال کیا جائے اور اکھنڈ بھارت کے اس مکروہ خواب کو عملی جامہ پہنایا جائے جو بھارت ہمیشہ سے دیکھتا آیا ہے۔

لبنانی فوج کی فلسطینی پناہ گزین کیمپ پر بمباری

لبنان کی فوج نے طرابلس (Tripoli) کے نزدیک واقع فلسطینی پناہ گزینوں کے کیمپ نہر البرد پر شدید بمباری اور حملوں کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔ اس کیمپ میں ہزاروں فلسطینی مہاجرین کسمپرسی کے حالت میں زندگی گزار رہے ہیں۔ لبنانی حکومت نے القاعدہ سے تعلق رکھنے والے ایک عسکری گروہ فتح الاسلام کی اس کیمپ میں موجودگی کا بہانہ گھڑ کر اس کیمپ پر دھاوا بول دیا اور سینکڑوں مسلمانوں کا خون بہایا۔ اس وقت اگر پوری دنیا پر نظر دوڑائی جائے تو نظر آتا ہے کہ کفار اپنے سردار امریکہ کی قیادت میں پوری دنیا کے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار کر کے مسلمانوں کا مقدس خون بہا رہے ہیں۔ خواہ پاکستان میں لال مسجد اور شمالی علاقہ جات میں ہونے والا خونی آپریشن ہو یا عراق میں جاری خونریزی اور قتل و غارت کے واقعات، خواہ وہ فلسطین میں الفتح اور حماس کے درمیان ہونے والی جھڑپیں ہوں یا سوڈان میں ہونے والے فسادات، کٹتے ہوئے سر اور بہتا ہوا لہو مسلمانوں کا ہی ہے۔ کیا یہ جرمِ عظیم نہیں کہ جن افواج کا کام مسلمانوں کا تحفظ ہے، وہ مسلمانوں کا لہو بہا رہی ہیں۔ اور سب سے بڑے مجرم تو یہ حکمران ہیں جو ان افواج کو اپنے ہی مسلمان بھائیوں کا قتلِ عام کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ دراصل یہ حکمران ہی ہیں جن کی وجہ سے آج یہ اُمت ذلت و رسوائی کا شکار ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے، کہ ان بے وقعت اور بے ضمیر حکمرانوں کو ہٹا کر اس ڈھال کو قائم کیا جائے جو مسلمانوں کی جان، مال، عزت، عقیدے اور سر زمین کی حفاظت کرے۔ یہ ڈھال صرف ایک خلیفہ ہی ہے۔

عراق افغانستان جنگ: امریکی نوجوانوں کی فوج میں بھرتی سے گریز

امریکہ، جو اپنے آپ کو دنیا کی واحد سپر پاور کہتا ہے اس وقت ایک شدید کشمکش اور بحران کا شکار ہے۔ امریکہ کی فوج تقریباً 15 لاکھ کے قریب ہے۔ امریکہ کو اس وقت اپنی ضروریات اور سلامتی کی صورتحال برقرار رکھنے کے لئے مزید فوج درکار ہے۔ مگر امریکی نوجوان فوج میں بھرتی کے لئے تیار نہیں۔ اس کے علاوہ جو فوجی عراق اور افغانستان میں تعینات ہیں وہ بھی وطن واپسی کے خواہاں ہیں۔ بہت سے فوجی دماغی اضطراب اور ڈپریشن کا شکار ہیں۔ اور اُنکا کہنا ہے کہ حکومت اُن سے اس جنگ کی آڑ میں غیر انسانی کام کروا رہی ہے۔ یہ صورتحال امریکہ کے لئے بالکل اجنبی ہے۔ امریکہ کے بُرے دن بہت قریب ہیں اور اس کا تکبر اور خدائی کا دعویٰ اب مٹی میں ملنے والا ہے۔ عراق اور افغانستان میں اسے شدید نقصان کا سامنا ہے۔ اور اندرونی خلفشار اور بے چینی اس کے علاوہ ہے۔ فکری اور اخلاقی جنگ تو وہ کب کا ہار چکا ہے، اب بس اسکی ہار کا اعلان باقی ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ہر سپر طاقت کو گرانے کے لئے ایک سپر طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ امریکہ کو گرانے کے لئے دنیا میں اس وقت صرف ایک ہی آئیڈیالوجیکل طاقت موجود ہے اور وہ اسلام ہے جو ریاستِ خلافت کی شکل میں نافذ العمل ہوتا ہے۔ اس لئے آج دنیا بھر کے مسلمانوں کو اس ریاست کے قیام کے لئے کوششیں کرنی چاہیں تاکہ پوری دنیا سرمایہ درانہ نظام اور امریکہ کے غرور و تکبر سے نجات حاصل کر کے سکھ کا سانس لے سکے۔

28 رجب: یومِ سقوطِ خلافت

28 رجب 1342ھ بمطابق 3 مارچ 1924ء کا دن، جب مصطفیٰ کمال نے ترکی میں خلافت کے خاتمے کا اعلان کرتے ہوئے خلیفہ عبدالمجید کو ملک بدر کر دیا تھا یقیناً امتِ مسلمہ کی تاریخ کا بدترین دن تھا۔ تقریباً 1300 سال تک دنیا کی عظیم سپر پاور رہنے کے بعد اس دن مسلمان بے آسرا اور بے سہارا ہو گئے تھے۔

پھر اس دن کے بعد ایک دن آیا جب فلسطین کی مقدس سرزمین پر اسرائیل کے ناپاک وجود کا قیام ہوا۔

پھر ایک دن ایسا آیا جب مسجدِ اقصیٰ یعنی قبلہ اول کو شہید کرنے کی سازش ہوئی۔

پھر وہ دن آیا جب بوسنیا کے مسلمانوں کی نسل کشی کی گئی اور مسلمان عورتوں کے دامنِ عصمت تار تار ہوئے۔

پھر وہ دن جب عراق میں مسلمانوں کے اوپر آگ برسائی گئی۔

غرضیکہ 28 رجب 1342ھ کو گزرے ہوئے 85 سال ہو گئے مگر اس امت نے ایک بھی دن عزت ووقار کا، فتح وکامرانی کا نہیں دیکھا۔

آج کے مسلمان اپنی اس خلافت کی واپسی کے لئے تڑپ رہے ہیں ۔ جو انہیں انکا کھویا ہوا مقام واپس دلائے۔

اس سال رجب کے مہینے میں یومِ سقوطِ خلافت کو یاد کر کے اس امت کو یہ عزم کرنا ہے کہ خلافتِ راشدہ کی طرز پر خلافت کا دوبارہ احیاء ہمارے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔

سیاسی اسلام پر حملہ

دہشت گردی کے خلاف جنگ نے ایک نیا خوفناک موڑ اختیار کیا ہے۔ مسلم دنیا میں طاقت کے ذریعے اپنے منصوبوں کو نافذ کرنے میں ناکامی کے بعد استعمار نے اب کھلے عام سیاسی اسلام پر حملے کرنا شروع کر دیئے ہیں۔ 'اسلام ازم' جیسے نئے الفاظ گھڑے جا رہے ہیں۔ جبکہ 'اعتدال پسند' اور 'انتہا پسند' جیسے پرانے الفاظ کی نئی تشریحات کی جا رہیں ہیں۔

صدر مشرف کی جانب سے 'انتہا پسند' اور 'اعتدال پسند' عناصر کے درمیان کھینچی جانے والی جنگ دراصل معاشرے کی سیاسی نظریات کی بنیاد پر تقسیم کی کوشش کا ایک حصہ ہیں۔ جیسے مغرب خصوصاً برطانیہ میں 'اسلام ازم' کے لفظ کو ایک خاص معانی دے کر سیاسی اسلام اور عسکریت پسندی کو ایک دوسرے سے جوڑنے کی کوشش کی جارہی ہے بالکل اسی طرح پاکستانی حکومت 'طالبانائزیشن' کے لفظ کو استعمال کرتے ہوئے اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جاری پر امن سیاسی جدوجہد کو عسکری کام کے ساتھ جوڑنا چاہتی ہے۔ اس سے حکومت کا مقصد پاکستان میں خلافت کے لئے جاری کوششوں کو دہشت گردی سے جوڑ کر لوگوں کی اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کی خواہش کو دبانا ہے۔ مگر حکومت یہ بات بھول رہی ہے کہ پاکستان کے عوام کو اسلام سے محبت ہے اور ان اوچھے ہتھکنڈوں کے ذریعے وہ عوام کو اسلام اور اسلامی نظام سے بدظن نہیں کر سکتی۔

لال مسجد آپریشن

لال مسجد آپریشن کے ردِعمل میں شمال جنوبی پاکستان میں قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں اور سیکیورٹی فورسز پر حملوں نے پاکستان کے مسلمانوں کے کرب میں اضافہ کر دیا ہے جبکہ پاکستان کے مسلمان ابھی تک لال مسجد میں ہونے والے بہیمانہ قتلِ عام کی وجہ سے صدمے سے دوچار ہیں۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ لوگوں کے دلوں سے اس واقعہ کے نقوش مٹ نہیں سکے اور ان جذبات کا اظہار اس وقت سامنے آ گیا جب مسلمانوں کے سرخ خون اور مسجد کے لال رنگ پر سفیدی پھیر کر دو ہفتوں کے بعد مسجد کو نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے کھولا گیا تو لوگوں نے سرکار کے نمائندوں کو جوتوں کا تحفہ دے کر وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ لال مسجد پر حکومت کی رِٹ قائم کرنے والے اب ملک کے تین ضلعوں اور قبائلی علاقاجات میں اس رِٹ کی دھجیاں بکھرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ جب حکومت کو یہ معلوم بھی تھا کہ لال مسجد کے خلاف آپریشن کے نتیجے میں ملک کے جنوبی علاقوں میں خانہ جنگی کی آگ بھڑک اٹھے گی تو پھر بھی اس نے اس قتلِ عام سے اپنے ہاتھ کیوں نہ کھینچے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ اس آپریشن اور اس کے ردِعمل کو جواز بنا کر پاکستانی حکومت اپنے مغربی آقاؤں کی ایما پر جنوبی پاکستان میں ایک بہت بڑا آپریشن شروع کرنا چاہتی ہے۔

چھ سال پہلے اس خطے سے شروع کی جانی والی دہشت گردی کے خلاف جنگ کا اصل روپ اب پاکستان کے مسلمانوں کے سامنے واضح ہو گیا ہے۔ کہ یہ جنگ دراصل اسلام اور پاکستان کے خلاف ہے۔

اللہ کے بعد اس دنیا پر ہمارا خیر خواہ 'چین' ہی ہے۔ وفاقی وزیر اعجاز الحق

وفاقی وزیر کا مذکورہ بالا بیان پاکستان میں ہر دور کی حکومت کا مؤقف رہا ہے۔ اب چاہے تو وہ ملک پاکستان میں مساج سینٹروں کے نام پر بدکاری کے اڈے چلائے یا پھر اپنے ملک میں مسلمانوں کا فقط ان کے مسلمان ہونے پر قتلِ عام کرے، وہ ہمارا خیر خواہ ہی رہے گا۔ اور یہ معاملات ان کے اندرونی معاملات قرار پا کر نظر انداز کر دیئے جائیں گے۔ ہمارے ہاں یہی تاثر عام ہے کہ چین ایک انسان دوست اور نہایت اچھا ملک ہے۔ ہمارے ہاں کبھی چین میں مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے ظلم اور ان کی نسل کشی کو موضوع نہیں بنایا گیا کہ یہ اُن کا اندرونی مسئلہ ہے۔ چین اپنے کمیونسٹ نظریہ کے تحت سنکیانگ اور کاشغر میں بسنے والے لاکھوں مسلمانوں کو ظلم وتشدد کا نشانہ بنا رہا ہے۔ بہت سی انسانی حقوق کی تنظیموں نے بین الاقوامی فورم پر یہ بات اُٹھائی ہے۔ بڑی تعداد میں بے گناہ مسلمانوں کو پھانسیاں دینا، سیاسی طور پر متحرک مسلمان خاندانوں کا قتلِ عام اور ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں کو جیلوں میں قید کرنا اور تشدد کرنا معمول کی بات ہے۔ رسول ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان امت ایک جسم کی مانند ہے، جب جسم کے ایک حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے'' آج دہشتگردی کے نام پر جنگ کے دور میں چین نے بھی مسلمانوں کے خلاف آپریشن اور ظلم وتشدد میں اضافہ کر دیا ہے۔ اور ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ چین بھی مسلمانوں کا اسی طرح دشمن ہے، جس طرح باقی کفار جیسا کہ رسول ﷺ فرمایا: '' کفار ایک ملت ہیں'' مگر ہمارے حکمران تو صرف اسی کو دوست مانتے ہیں جو مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہیں چاہے وہ عراق میں موجود امریکہ ہو یا پھر سنکیانگ میں قتل وغارت کرنے والا چین۔ اسلامی ریاست کے لیے جائز نہیں کہ فقط سفارتی تعلقات کی بہتری کے نام پر مسلمانوں کے قتل وغارت پر خاموش رہے۔

●●●

جمہوریت اور خلافت

فارس خیال

یہ جمہوری تماشہ ہے فرنگی کا چُھپا لشکر
جو کمزوروں کی گردن پر چلاتا ہے سدا خنجر

خلافت دورِ رحمت کی کرن ہے اِس زمانے میں
جو ہر جا مرتے مسلم کی بنے گی ڈھال اور رہبر

یہ جمہوری تماشہ ہے نئے انداز کا آذر
جو رکھواتا ہے کعبے میں پُرانے دور کے پتھر

خلافت بعد آقاؐ کے سیاسہ آلِ احمدؐ کی
خلافت عہدِ فاروقیؓ ، خلافت قوّتِ حیدرؓ

وحدتِ مسلم

ہیں مسلم گُل تو گُلدستہ جہاں میں کیوں نہیں بنتے
بنا کر قافلہ سارے یہ مل کر کیوں نہیں چلتے

خلافت میں ہے پنہاں جب دوا مرضِ مسلماں کی
ستاون ٹوٹے ملکوں کو اکٹھّا کیوں نہیں کرتے